استبقوا الخيرات

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ستمبر ۱۹۶۵ء

چندہ سالانہ ۶ روپے

فی پرچہ ۶۲ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

(المصلح الموعود)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

خالد

ربوہ

جلد ۱۱ — شمارہ ۱۱

جمادی الاول سنہ ۱۳۸۵ھ ؛ تبوک ۱۳۴۴ ہش

ستمبر سنہ ۱۹۶۵ء

سرپرست

حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد مدظلہ

صدر مجلس خدام الاحمدیہ

ایڈیٹر

لطف الرحمٰن محمود

نائب

محمد شفیق قیصر

(سید عبدالباسط پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

اداریہ

اسلام کا نظریۂ عزت

انسانی معاشرہ افراد کا مجموعہ ہے۔ معاشرے میں فرد کی عزت کا کوئی نہ کوئی تصور ضرور موجود رہا ہے۔ فرد کی عزت کے مختلف معیار لوگوں کے پیش نظر رہے ہیں اور انسانیت کو ان کسوٹیوں پر پرکھا جاتا رہا ہے۔ ذرا چشم تصور وا تو کیجئے کوئی مال اور جمال کو عزت کا معیار قرار دیئے بیٹھا ہے۔ کسی کی نگاہ میں مال تو آنی جانی چیز ہے اور جمال چار دن کی چاندنی ـــــ اصل چیز حسب نسب ہے۔ مگر کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ "دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست"۔ کہیں قومی خدمات یا بہادری، دلیری اور شجاعت کی داستانیں اصل معیار ہیں۔

تاریخ عالم کے دریچوں سے اگر جھانک کر دیکھا جائے تو مختلف ادوار میں مختلف تہذیبیں اور مختلف معاشرے مختلف معیاروں سے چمٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یونان میں مضبوط، توانا اور خوبصورت جسم کی عزت افزائی بلکہ پرستش کی جا رہی ہے ـــــ عرب میں باقی دنیا کو عجم بتانے والے فصیح و بلیغ شعراء کے سر پہ فضیلت کا تاج رکھا جا رہا ہے ـــــ ہند کی سرزمین میں برہمن زادوں کی محض اس وجہ سے سیوا ہو رہی ہے کہ وہ "برہما کے سر" سے نکلے ہیں ـــــ انگلستان میں شاہوں کو "شہنشاہی کے حق آسمانی" کے خود ساختہ عقیدے کے طلسماتی شیش محل میں بٹھا کر پوجا جا رہا ہے۔

اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے صحیح معیار پیش کیا ہوگا لیکن اس وقت ہمارے پاس اسلام ہی کا پیش کردہ نظریۂ عزت اپنی غیر مبہم شکل و صورت میں موجود ہے۔ اور اسلام اس زاویۂ نظر سے بھی نظریاتی اور عملی میدان میں منفرد اور ممتاز مقام کا حامل ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ اسلام نے نہ سیم و زر کو اہمیت دی ہے نہ درہم و دینار کو ـــــ نہ محض علوم و فنون کی سندات ہی کچھ اہمیت رکھتی ہیں نہ جُبّہ و دستار! نہ خد و خال کا تیکھا پن اور نہ گیسو و کاکل کے خم عزت کا معیار ہیں اور نہ ہی اسلام میں صرف بہادری، شجاعت اور دلیری کی داستانیں فرد کو عزت کے تخت پر جلوہ گر کر سکتی ہیں۔ اور نہ ہی محض خلوص نیت سے محروم قومی خدمات کی طویل فہرستیں اُسے یہ مقام دلا سکتی ہیں۔ اور نہ ہی کسی اونچے خاندان میں پیدا ہونے کا حسین حادثہ اُسے دوسرے انسانوں سے ممتاز کر سکتا ہے۔ یہ تو خیر مادی پہلو ہیں، اسلام میں "اعمال صالحہ" اور "اخلاق حسنہ" بھی بیکار سی چیزیں ہیں اگر نیت صالح اور خلوص نہ ہو ـــــ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اسلام نے انسانی معاشرے کی اہم اکائی ـــــ فرد

——— کی عزت کا کیا معیار پیش کیا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ (۱۴ : ۴۹)

اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے متقی ہے۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا اخبردار ہے"۔

یہ ہے اسلام کا پیش کردہ نظریۂ عزت ہے جسے ان واشگاف الفاظ میں آج تک کوئی مکتبِ فکر پیش نہیں کر سکا۔ اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عزت کے جھوٹے معیاروں کی نفی کر کے اصل سچے معیار کو پیش فرمایا ہے۔ اصل چیز تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے حسن اور جمال کے ساتھ اگر کسی کو خدا نے مال دیا ہے، جمال سے نوازا ہے، علم کا نور بخشا ہے، بے باکی جرأت اور دلیری عطا کی ہے، اچھے گھرانے میں پیدا کیا ہے، قومی خدمات کی توفیق دی ہے، اخلاقِ فاضلہ کا حامل بنایا ہے ——— تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اگر تقویٰ نہیں تو پھر یہ محرکات اور عوامل فرد کو اسلامی معاشرے میں وہ مقامِ عزت نہیں دلا سکتے جو کامل متقی کے لئے مخصوص ہے۔ ان عوامل اور محرکات کی حیثیت ثانوی ہے بلکہ ثانوی بھی نہیں۔ اصل چیز تقویٰ ہے۔ اس نور کی موجودگی میں ان محرکات وعوامل میں زندگی کی رمق ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اسلام نے مادی نعماء سے فرد کو استفادہ کی اجازت ہی نہیں۔ اسلام تو دینِ فطرت ہے اس نے مومن کو

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

کی دعا تعلیم کی ہے اور حسناتِ دنیا اور مادی نعمتوں سے استفادہ اور تمتع کی اجازت دی ہے بلکہ اس معمورۂ عالم کو مردِ مومن کی میراث قرار دیا اور اسے مہر و پروین کا امیر اور شمس و قمر کی تسخیر کرنے والا قرار دیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت بھی اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ دنیا کی حسنات اور نعمتیں اس کا اصل مقصود اور منتہیٰ نہیں ——— اصل چیز خدا تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے ——— جو تقویٰ سے مشروط ہے۔

مومن یعنی متقی انسان واقعی کارخانۂ قدرت کا ایک عظیم الشان اور عدیم المثال شاہکار ہے ۝

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن ٭ قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآں

بظاہر وہ غریب اور درماندہ ہی کیوں نہ ہو ——— مادی انسانوں کی بے نور نگاہوں میں وہ حقیر ہی کیوں نہ ہو، نور باطن

سے محروم علم کے غرور کے ہاتھوں ناکارہ ہونے والی پست ذہنیتیں اُسے کتنا ہی ذلیل کیوں نہ سمجھتی ہوں مگر اُس کے باوجود وہ اپنے قلبِ صافی اور نورِ باطن کی نگاہ سے خدا تعالیٰ کی نگاہ میں معزز و مکرم ہے۔ فخرِ انسانیت سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم نے اسی لطیف کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب فضل الفقراء)

یعنی کچھ پراگندہ اور منتشر بالوں والے لوگ جنہیں مغرور لوگ اپنے دروازوں پر کھڑا بھی نہیں ہونے دیتے اُن کا خدا سے تعلق ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے"

مراد یہ ہے کہ اصل چیز شاہانہ جاہ و جلال نہیں، دل کا تقویٰ ہے۔ اور متقی کے لئے خدا تعالیٰ ارض و سماء کو لونڈی بنا کر غلام کرنے پر تُل جاتا ہے۔ کیونکہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ؎ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور میں سیدنا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جو اسلامی معاشرہ قائم فرمایا اُس کا طرۂ امتیاز یہی چیز تھی۔ عزت کے اسی معیار پر ہر فرد کو پرکھا جاتا تھا اور اہلیت کی بنا پر اُسے اسلامی معاشرے میں مناسب مقام ملتا تھا۔ مسلمانوں کے دلوں کو جب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف پھیر دیا۔ اور وہ "خلیفۃ الرسولؐ" قرار پائے تو جناب ابو قحافہ کو اعتبار نہ آتا تھا کہ ان کا بیٹا ـــــ مسلمانوں کا امیر اور ان کی وسیع سلطنت کا بادشاہ بن گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو تقویٰ کی وجہ سے حاصل ہونے والی عزت پر فخر تھا۔ بیت المقدس کی فتح کے وقت جب نصرانیوں نے مطالبہ کیا کہ "امیر المومنین" خود تشریف لا کر معاہدہ تحریر فرمائیں تو آپ اپنی مخصوص درویشانہ شان سے اپنے غلام کے ساتھ چل کھڑے ہوئے۔ جب منزلِ مقصود پر پہنچے تو بعض مسلمان زعماء نے شاہانہ جلال اور شوکت اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی تو آپ نے فرمایا "ہمارے لئے اسلام کی عزت کافی ہے"۔ یہی وہ جذبہ تھا جس کی روشنی میں حضرت عمرؓ حبشی غلام حضرت بلالؓ کو "سیدنا بلال" کہہ کر یاد فرماتے تھے۔ یہی معاشرہ تھا جس میں جبلہ بن ایہم والیٔ غسان ایک بدو کے برابر حقوق رکھنے پر مجبور تھا اور قانونِ اسلامی کے سامنے مجرم ـــــ یہی تربیت تھی، یہی معیار تھا، جس کی بدولت غریب اور بظاہر معمولی مادی حیثیت کے صحابہ کو دربارِ خلافت میں آگے مقام ملتا جب کہ رؤسائے مکہ کے نوجوان امیر فرزندوں کو جوتیوں میں جگہ ملتی!!

یہ ہے اسلامی معاشرہ کی اصل تصویر جس میں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ کا اصول ہر جگہ کارفرما نظر

آتا ہے۔

اسلام ترقی کرتا گیا۔ صحابہ کرام رخصت ہو گئے۔ نئے مسلمانوں کی تربیت میں کچھ خامی رہ گئی۔ ایرانی اور شامی ملوکیت کے اثرات نے اسلامی خلافت کو "ملوکیت" کے سانچے میں ڈھال دیا۔ دولت کی کثرت نے عربیت کو پگھلا کر رکھ دیا اور پھر ملوکیت کی نحوستوں نے اسلامی معاشرے کو بھی اپنے منفی اثرات کی لپیٹ میں لے لیا اور خاندانی تفاخر اور خصوصی حقوق کے منحوس پرچم بلند ہونے لگے ـــــ قومی خدمات کے دعاوی کا چرچا ہونے لگا ـــــ عربی عجمی اور گورے کالے کی تمیز ہونے لگی ـــــ اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرہ مرکزیت سے محروم ہو گیا اور تیرہ سو سال سے آج تک اس مرکزیت سے محروم ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہٗ ہونے والی اس صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"بعد میں مسلمانوں کی ذہنیت ایسی بگڑی کہ انہوں نے یہ سمجھنا شروع کیا کہ یہ فتوحات ہم نے اپنی طاقت سے حاصل کی ہیں۔ کسی نے کہنا شروع کر دیا کہ عرب کی اصل طاقت بنوامیّہ ہیں اس لئے خلافت ان کا حق ہے۔ کسی نے کہا بنو ہاشم عرب کی اصل طاقت ہیں۔ کسی نے کہا بنو مطلب عرب کی اصل طاقت ہیں۔ کسی نے کہا خلافت کے زیادہ حقدار انصار ہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ گویا تھوڑے ہی سالوں میں مسلمان ماربد (MORBID) ہو گئے اور ان کے دماغ بگڑ گئے۔ ان میں سے ہر قبیلہ نے یہ کوشش شروع کر دی کہ وہ خلافت کو بزور حاصل کر لے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت ختم ہو گئی۔" (تفسیر کبیر جلد پنجم حصّہ سوم صفحہ ۱۱۹)

اسی خطرہ کو محسوس کر کے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا:-

یا ایّھا النّاس الا انّ ربّکم واحدٌ لا فضل للعربی علیٰ عجمیّ ولا لعجمیّ علیٰ عربیّ ولا لاسود علیٰ احمر ولا لاحمر علی الاسود الّا بالتقویٰ انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ (بیہقی)

یعنی اے لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے۔ پس عربی کو عجمی پر اور عجمی پر عربی کو کوئی فضیلت نہیں اور نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے سوائے تقویٰ کے تم میں سے اللہ کے نزدیک وہی سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے۔"

خاندانی تفاخر کا احساس، ذات پات کا مسئلہ اور بین الاقوامی پیمانے پر قومیت (NATIONALISM)

کا نظریہ انسانی معاشرے کی بدترین لعنتیں ہیں حسب نسب کا غلط تصور چند خاندانوں کی سیادت قائم رکھنے کیلئے ملوکیت پرستوں نے پھیلایا، یا پھر عقیدتمندوں نے اپنی اندھی عقیدت میں غلو کر کے حدود سے تجاوز کیا۔ اسلام میں حسب نسب کی بناء پر خصوصی حقوق حاصل کرنے کا فتنہ دراصل یہودی ذہن کی تخلیق تھی جس کی دراصل سبائیوں کے مکتب فکر نے تشہیر کی لیکن اسلام میں محض حسب نسب کی برتری کی وجہ سے دین میں خاص مراتب یا قیامت میں خصوصی مراعات دیئے جانے کا کوئی تصور موجود نہیں۔ خدا تعالیٰ نے ایک خصوصی حکم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا:۔

اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ٥ (سورۃ الشعراء)

یعنی ”اپنے قریبی رشتہ داروں کو پہلے ڈراؤ“

چنانچہ فخر المرسلین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاندان کے افراد کو اکٹھا کر کے ان الفاظ میں انذار فرمایا:۔

يَا بَنِي كعب بن لُوَيٍّ اَنْقِذُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي هَاشِمٍ اَنْقِذُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عبد المُطَّلِبِ اَنْقِذُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّي لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔

(مشکوۃ المصابیح)

اے اولاد کعب بن لوئی بچاؤ اپنی جانوں کو آگ سے ـــــ اے اولاد عبد مناف بچاؤ اپنی جانوں کو آگ سے ـــــ اے اولاد ہاشم بچاؤ اپنی جانوں کو آگ سے ـــــ اے عبد المطلب کی اولاد بچاؤ اپنی جانوں کو آگ سے ـــــ اے فاطمہ بچا اپنی جان کو آگ سے اسلئے کہ میں تمہارے لئے اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں۔ یعنی میری رشتہ داری تمہارے کچھ کام نہ آئے گی ـــــ صرف اپنے اعمال کی وجہ سے بخشے جاؤ گے ـــــ

اسلام کے صحیح نظریہ کی اس سے بڑھ کر اور سچی تصویر کیا ہوگی؟ سیدنا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پہلی قومیں اس لئے تباہ ہوگئیں کہ جب کوئی ”بڑا“ آدمی قانون شکنی کرتا تو گرفت نہ کی جاتی لیکن اگر کسی ”معمولی“ آدمی سے لغزش ہوتی تو اُسے سزا دی جاتی ـــــ اس ارشاد کی روشنی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ امیر، غریب، اسود و احمر، شاہ و گدا قانون کی نگاہ میں برابر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی عدالتوں میں قاضیوں کے سامنے خلفاء اور امراء عام افراد کی حیثیت سے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں حضرت عمرؓ کے انصاف

کے ایک واقعہ کو ہم درج کرنے پر مجبور ہیں۔ مشہور مصنف محمد حسین ہیکل اس واقعہ کے راوی ہیں۔ لکھتے ہیں :-

"محمد بن عمرو بن العاصؓ نے ایک مصری کے تازیانے مارے۔ وہ مارتے جاتے اور کہتے تھے "لے مَیں بڑوں کی اولاد ہوں"۔ حضرت عمرو بن العاص^[۱] رضؓ نے اس مصری کو قید کر دیا کہ مبادا وہ امیر المومنین رضؓ سے ان کے بیٹے کی شکایت کر دے۔ جب وہ قید سے چھوٹا تو سیدھا مدینہ پہنچا۔ اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے تو اپنے پاس ٹھہرالیا اور ابن عاصؓ اور ان کے بیٹے کو مصر سے بلاکر مجلس قصاص میں طلب کیا۔ جب دونوں باپ بیٹے مجلس قصاص میں پیش ہوئے تو حضرت عمرؓ نے بلند آواز میں فرمایا "مصری کہاں ہے؟۔ لے یہ درّہ اور بڑوں کی اولاد کو مار"۔ مصری نے محمد کو درّے مارنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ وہ بے دم ہو گئے۔ مصری اُنہیں مارتا جاتا تھا اور عمرؓ کہتے جاتے تھے "بڑوں کی اولاد کو مار"! جب وہ جی بھر کر مار چکا تو درّہ امیر المومنین کو واپس کرنے لگا تو حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا "عمروؓ کی چندیا پر مار۔ خدا کی قسم بیٹا تجھے ہرگز نہ مارتا اگر اُسے باپ کے اقتدار کا گھمنڈ نہ ہوتا"۔ ابن عاصؓ نے کہا "امیر المومنین آپ بھرپور سزا دے چکے ہیں"۔ اور مصری نے کہا "امیر المومنین جس نے مجھے مارا تھا مَیں نے اس سے بدلہ لے لیا"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "قسم ہے خدا کی اگر تو ابن عاصؓ کو مارتا تو ہم اُس وقت تک بیچ میں نہ آتے جب تک تو خود ہی اپنا ہاتھ نہ روک لیتا"۔ اور عمروؓ کو مخاطب ہو کر غضبناک لہجے میں فرمایا "عمروؓ! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنایا۔ اُن کی ماؤں نے تو اُنہیں آزاد جنا تھا" (عمر فاروق اعظمؓ۔ از محمد حسین ہیکل صفحہ ۵۹۵)

پھر ذات پات کی تقسیم کی ایک بدترین مثال ہندوستان کی برہمنیت کی گہری محلاتی سازش کا نتیجہ تھی جس کی رُو سے معاشرہ کو برہمن، کھشتری، ویش اور شودر میں تقسیم کر دیا گیا ـــــ اور اس بدترین نظام کی وجہ سے جو اخلاقی، معاشرتی، سماجی اور اقتصادی لحاظ سے انسانیت کُشی کا ڈرامہ کھیلا گیا اُس کے تصور سے جسم پر لرزہ پڑتا ہے!!

پھر مغرب کی جدید دجالی سیاست کا سیارہ قومیت کے سورج کے گرد گھوم رہا ہے۔ ہٹلر اور مسولینی نے جدید دَور میں بڑے زور شور سے اس کا پرچار کیا۔ اور عمل اور ردِّ عمل کے طور پر آج انسانیت جغرافیائی اور نسلی قومیت کے نظریات کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی ہے۔ اَور تو اَور مسلمان کہلانے والے عرب بھی آج اسی توہم کا شکار ہو چکے ہیں اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہم پہلے عرب اور بعد میں مسلمان ہیں۔

---

[۱] آپ اُس وقت مصر کے گورنر تھے۔ (ایڈیٹر)

حالانکہ اگر بانیٔ اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں پیدا نہ ہوتے تو عربوں کی حیثیت ہی کیا تھی؟۔ لیکن اس کے برعکس اسلام نے خاندان، قبیلہ، حسب نسب وغیرہ کو صرف "لتعارفوا" فرما کر تعارف کی حد تک تسلیم کیا ہے اور بس!! اس کی بنیاد پر حقوق و مراعات کے محل تعمیر کرنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

حسب نسب کے علاوہ عزت کی ایک کسوٹی "پیشہ" سمجھا جانے لگا ہے۔ فلاں پیشہ ادنیٰ ہے، فلاں اعلیٰ ہے۔ اور "اعلیٰ" سے مراد وہ پیشہ ہے جس میں کام کم سے کم کرنا پڑے اور مالی منفعت زیادہ سے زیادہ ہو اور اس میں محنت مشقت نہ کرنی پڑے۔ اور ادنیٰ پیشہ وہ ہے جس میں ہاتھ سے کام کرنا پڑے —— یا پھر بعض خاص پیشے ہیں جن کو "حقارت" کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں یہ ذات پات کے نظام کے طبعی اثرات کی وجہ سے ہے۔ جہاں تک پیشے پر معاشرتی طبقات کی تقسیم کا انحصار تھا اسلام میں کسی پیشے کو حقیر اور ذلیل نہیں سمجھا گیا بلکہ رزقِ حلال اور اکلِ حلال پر زور دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں (مسلمانوں کی ذہنیتوں کے غلامانہ ہونے سے پہلے) ان پیشوں سے (جنہیں آج غلط فہمی کی وجہ سے ادنیٰ سمجھا جاتا ہے) وابستہ نیک اور اہلِ علم لوگوں کو معاشرے میں عزت کا مقام حاصل تھا۔ ایک طرف وہ کپڑا بُن رہا ہے تو دوسری طرف شہزادے اور امیرزادے اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر رہے ہیں —— ایک طرف وہ کپڑے سی کر اپنے لئے رزقِ حلال پیدا کر رہا ہے تو دوسری طرف پُر معارف کتابوں کا مصنف بھی ہے —— ایک طرف وہ خیمہ نصب کرتا پھرتا ہے دوسری طرف اس کے علوم کے چرچے ہیں۔ ایک طرف وہ معمولی مزدور کی حیثیت سے کارگاہِ حیات میں سرگرم عمل ہے تو دوسری طرف اپنی روحانی تاثیروں سے دوسروں کو متمتع کر رہا ہے اور لوگوں کی محبت اور عزت کا ایک مرکز بنا ہوا ہے —— بادشاہ کتابت کر رہا ہے —— ٹوپیاں سی رہا ہے اور اس کے ہاتھ کی مشقت کی وجہ سے اس کی عزت اور جلال میں کوئی فرق نہیں پڑا —— بادشاہ تو خیر بادشاہ ہی تھے —— اسلام کے پیدا کردہ معاشرہ میں ملوکیت کے دور میں بھی غلاموں کو اپنی استعدادوں اور صلاحیتوں کے مطابق نائب السلطنت بلکہ بادشاہ بننے کے مواقع ملتے رہے۔ ہندوستان کا پہلا اسلامی شاہی خاندان —— "خاندانِ غلاماں" کہلاتا ہے۔ مشہور عیسائی مؤرخ فلپ۔ کے حتی نے اپنی کتاب "تاریخ شام" میں اسلام سے ایک قسم کے مذہبی تعصب کے باوجود ایک غلام "الاخشید" کے تخت و تاج کا مالک ہو جانے کے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ اسلامی تاریخ سلاطین میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ لوگ بہت ادنیٰ حیثیت سے اُٹھ کر بادشاہت کے درجے تک پہنچتے رہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ شام ص ۴۵۵)

پھر اسلامی عبادت —— "نماز" میں مساوات قائم کی گئی ہے۔ بندہ و محتاج اور صاحب و غنی ایک ہی صف میں

کھڑے ہو کر خدائے دو جہاں کے سامنے اپنے عجز اور مساوات کا اقرار کرتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہٗ نے اسلامی عبادت کے اس پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے ایک عجیب واقعہ تحریر فرمایا ہے:-

"میں جب عرب ممالک میں گیا تو اس وقت میں نے دیکھا کہ ایک مسجد کی ایک جہت میں ایک حجرہ بنا ہوا تھا اور اس کے ارد گرد کٹہرا لگا ہوا تھا۔ میں نے بعض لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پرانے زمانہ میں جب بادشاہ آتے تھے تو اس حجرہ میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ ایک دفعہ کوئی بادشاہ آیا اور اس کے ساتھ ہی ایک جھاڑو دینے والا بیٹھ گیا۔ اس کے نوکروں نے اسے ہٹانا چاہا تو سب مسلمان اور قاضی پیچھے پڑ گئے اور انہوں نے کہا یہ خدا کی مسجد ہے یہاں چھوٹے اور بڑے کا کوئی سوال نہیں۔ مسجد میں اگر کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی بیٹھا ہو تو اس کے ساتھ اس دن کا نومسلم جو خاکروبوں یا ساہنسیوں میں سے آیا ہو کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے چاہے وہ بڑا آدمی بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس کو نہ اٹھایا گیا مگر بادشاہ پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے جگہ بدل کر پیچھے کی طرف اپنے لئے حجرہ بنوا لیا۔ میں نے جب یہ واقعہ سنا تو اپنے دل میں کہا کہ اسلام کے ایک حکم کی بے حرمتی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے آئندہ اس سے مسجد میں نماز پڑھنے کی توفیق ہی چھین لی۔ کیونکہ جس جگہ حجرہ بنایا گیا تھا وہ مسجد کا حصہ نہیں تھا۔ بہر حال اسلام نے مساجد میں بڑے اور چھوٹے کا کوئی امتیاز نہیں رکھا اور اس طرح بنی نوع انسان میں اس نے ایک بے نظیر مساوات قائم کر دی ہے۔" (تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اول ص۲۵)

ویسے بھی اب تو موجودہ صنعتی اور مشینی دور میں جبکہ وقت کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے عملاً کوئی پیشہ بھی ذلیل اور حقیر نہیں رہا۔ اگر ایک حجام ایک دوکان میں کسی کے بال کاٹتا ہے تو وہ "نائی" ہے لیکن اگر گھر میں کوئی "صاحب بہادر" خود شیو بناتا ہے تو وہ "نائی" کیوں نہیں؟ اگر دھوبی اپنی دوکان میں کپڑے دھونے کے بعد استری کرتا ہے تو وہ "دھوبی" بن جاتا ہے تو گھر میں قیمتی برقی استری سے کپڑوں کو استری کرنے والا کیوں دھوبی نہیں؟ اپنی دوکان میں بوٹ کی مرمت کرنے والا موچی ہے مگر باٹا شو کمپنی کے کارخانے میں کام کرنے والا کیوں موچی نہیں؟ یا گھر میں بوٹ پالش کرنے والا کیوں اپنے آپ کو اس سے بالا سمجھتا ہے؟ اپنی دوکان میں جو بیٹھ کر کوئی ٹیکنیکل کام کرے وہ تو "مستری" کہلاتا ہے مگر کارخانے میں جا کر یہ کام یا "پولی ٹیکنک ادارے" میں یہ کام سیکھے تو "انجنیئر"۔ اس تضاد کی ہمیں آج تک سمجھ نہیں لگی۔!!

موجودہ صنعتی دور نے پیشوں کے اس امتیاز کو ختم کر دیا ہے۔ اس صنعتی اور تکنیکی دور میں ہاتھ سے کام کرنے والوں کی فضیلت قائم ہو چکی ہے اور ہو گی ــــــ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے

جماعت احمدیہ میں وقارِ عمل کی مبارک تحریک ہاتھ سے کام کرنے کی فضیلت کے احساس کو احباب جماعت میں پیدا کرنے کیلئے جاری فرمائی تھی، تا اسلام کا یہ نظریہ قائم رہے کہ ہر پیشہ قابلِ عزت ہے۔!!

زر و مال کی بُہتات موجودہ زمانہ میں عزت کے معیاروں میں غالباً سرِفہرست ہے۔ زر کو "قاضی الحاجات" کہا جانے لگا ہے۔ مگر اسلام میں محض مال کی وجہ سے کوئی امارت، سیادت اور عزت کے قابل نہیں۔ اسلامی معاشرے میں مارِ سرِ گنج کے لئے کوئی عزت نہیں ہے۔ اسلام میں خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ اور تقویٰ شعار عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے سرمایہ داروں کے لئے عزت کا تخت موجود ہے جن کے وسائل سے معاشرہ کو بھی خاطر خواہ فائدہ پہنچ رہا ہے اور جن کے سینوں میں دل خوفِ خدا سے لرزاں اور ترساں ہیں۔ جو اللہ کی خاطر اس کی راہ میں اپنا مال بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ سیدنا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں چند غریب صحابہ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے امیر بھائی دین کے لئے مال خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں ہم پر سبقت لے گئے ہیں، ہماری غریبی اس راہ میں حائل ہے۔ آپؐ نے فرمایا نمازوں کے بعد تسبیح و تحمید کر لیا کرو اُن سے صدیاں پہلے جنت میں جاؤ گے —— خود شہنشاہِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے کس شان سے فرمایا "الفقر فخری" —— فقر میرے لئے مقامِ فخر ہے!!

قرآن مجید کی آیات اور احادیث میں اہلِ علم کی عزت و تکریم کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر قرآن مجید اور احادیث میں جن علماء کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض خاص خصوصیات انہیں واقفِ علم لوگوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ قرآن مجید میں بےعمل عالموں کے علم کو گدھے کا بوجھ قرار دیا گیا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں صرف متقی علماء کے سر پر عزت کا تاج رکھا جاسکتا ہے۔ اسلام میں اس علم کی بڑی قدر و منزلت ہے جو معرفتِ الٰہی اور معرفتِ نفس اور خدمتِ دین اور خدمتِ انسانیت میں ممد و معاون ہے۔ احادیث میں ریاکار اور بےعمل واعظوں کے لئے سخت وعید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک کے ادبیات میں ایسے حرم فروش فقیہوں اور ریاکار زاہدوں کو خوب لتاڑا گیا ہے۔ ادب بھی قومی مزاج کا آئینہ دار ہوتا ہے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ محض علم اسلام کے نظریۂ عزت کے لحاظ سے کچھ چیز نہیں —— اس کے ساتھ بھی تقویٰ کی قید لگی ہوئی ہے۔ اسلامی تاریخ میں دورِ ملوکیت میں، ملوکیت کے اشاروں پر ناچنے والے ذی علم لوگ —— ربانی علماء نہ تھے —— وہ محض مُلّا تھے۔ جنہوں نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا —— یہی مُلّا تھا جو فاروق شاہِ مصر کو "آلِ رسولؐ" ثابت کر کے "خلیفۃ المسلمین" بنانے پر تُل گیا تھا —— !! ایسے مطلب پرست کاسہ لیس مُلّا قسم کے متعلق مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء ھم شرٌ من تحت ادیم السماء فرمایا ہے —— تاریخ اسلام اب بھی اپنے دامن میں

اُن ربانی علماء کی مقدس یاد کی خوشبو بسائے ہوئے ہے جن کی محشر خیز ندائے حق سے جابر شہنشاہوں کا تخت بید لرزاں کی مانند لرزتا تھا اور اُن کے محلات کانپ جاتے تھے!! ۔ صرف ایسے متقی علماء کے لئے اسلامی معاشرہ میں عزت کا سنہری تاج موجود ہے!!

پھر قومی خدمات، شجاعت، بہادری، دلیری وغیرہ عزت کا معیار سمجھی جاتی ہیں۔ اسلام نے اس میں بھی تقویٰ ہی کو مدنظر رکھا ہے۔ نام ونمود کی خاطر شجاعت اور بہادری اور دکھاوا کا "خدمتِ دین" ـــــ دوزخ کا زینہ ہے۔ احادیث میں موجود ہے کہ ایک جنگ میں ایک سپاہی لشکر اسلامی کی طرف سے بڑی بہادری اور جوش سے لڑ رہا تھا ـــــ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ـــــ "اگر کسی نے دوزخی کو دیکھنا ہو تو دیکھ لو"۔ ظاہر ہے محض قومی خدمات کو بھی کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ اس میں تقویٰ اور خلوصِ نیت پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہال بنوا دینا ـــــ کوئی عبادت کھڑی کر دینا ـــــ رفاہِ عامہ کا کوئی عظیم الشان منصوبہ مکمل کر دینا ـــــ اگر تو خالصۃً رضائے الٰہی کے پیشِ نظر مخلوق کی بہبود کے لئے ہے تو قابلِ قدر ہے اور اگر ووٹوں کے لالچ یا کسی اور منفعت کے پیشِ نظر ہے تو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ایسے شخص کو کوئی عزت حاصل نہیں۔ اسی حکمت کے پیشِ نظر ملت کے مذہبی عہدوں کے لئے خود کوشش کرنا ـــــ دوڑ دھوپ کرنا ـــــ سازشیں کرنا ـــــ خود آگے آنے کی کوشش کرنا ـــــ اسے اسلام نے ناپسند کیا ہے اور اس کا معیار "اہلیت" ہے۔ جس کا سب سے بڑا پہلو "تقویٰ اللہ" ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ہدایت فرمائی ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اُن کے اہل ہاتھوں تک پہنچاؤ۔

قومی عہدے ـــــ قوم کی مقدس ترین امانتیں ہیں جنہیں صرف اور صرف اہل ہاتھوں تک پہنچانے کا حکم ہے۔

یہ ہے اسلام کا نظریۂ عزت جسے ایک اہم ترین، عدیم المثال معاشرتی دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ فیج اعوج اور پھر موجودہ دور کی مادی چمکار کی وجہ سے اسلامی تعلیم کا یہ نورانی پہلو اوجھل ہو گیا تھا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس نظریۂ عزت کو پیش فرمایا۔ آپ کے خلفائے عظام نے اسی اصول کو پیشِ نظر رکھا اور افرادِ جماعت کو تلقین فرمائی کہ وہ "رعبِ دجال" سے بچیں، اور اسلامی نظریۂ عزت کو اختیار کریں۔ افسوس ہے کہ ہماری جماعت سے تعلق رکھنے والے بعض اصحاب غالباً خام تربیت کی وجہ سے عزت کے "دنیاوی معیاروں" کی طرف مائل ہو رہے ہیں ـــــ یہ ایسی لغزش

ہے جس سے قوموں کی ترقیاتی زندگی میں ایک ایک لمحہ صدی صدی کی زنجیر بن کر حائل ہو جاتا ہے!!

- عزت کیجئے خلافت کی اور اس کے قائم کردہ نظام کی۔
- عزت کیجئے واقفینِ زندگی کی جو خلوص سے دین کی خدمت پر کمربستہ ہیں۔
- عزت کیجئے اُن پُرجوش مبلّغین کی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آپ سب کے کام کو سنبھالے ہوئے ہیں۔
- عزت کیجئے ربانی علماء کی۔
- عزت کیجئے جماعت کے مخلص خادموں اور درویش طبع بزرگوں کی۔
- عزت کیجئے ہر اُس وجود کی جو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے ماتحت آتا ہے۔

اگر ہم میں بھی ـــــ عزت کا معیار کاریں ہیں ـــــ اگر عزت کا معیار خوبصورت بنگلے اور کوٹھیاں ہیں ـــــ اگر عزت کا معیار جائیدادیں ہیں ـــــ اگر عزت کا معیار بینک بیلنس ہیں ـــــ اگر عزت کا معیار برادریاں ہیں ـــــ ... ...

تو افسوس کا مقام ہے!! ـــــ ہم اس زمانے کا "نمک" ہیں ـــــ اِس "نمک" کو اپنی انفرادیت اور پوری روایات کے ساتھ برقرار رکھنا چاہیئے ـــــ اگر ہماری جماعت میں تقویٰ اور محض لوجہ اللہ خدمتِ دین معیارِ عزت نہیں تو ہمیں عرض کرنے دیجئے کہ ہم نے اسلام کے نظریۂ عزت کو نہیں سمجھا ـــــ ہم نے احمدیت کی معاشرتی رُوح کو محسوس نہیں کیا۔!!

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی بارہا جماعت کو اِس امر کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ اِس ضمن میں حضور کا دل ہلا دینے والا ایک ارشاد پیشِ خدمت ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"مَیں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ جماعت کے سفلی طبع لوگ یا منافق طبقہ ان کو تو ادنیٰ نگاہ سے دیکھتا ہے جو دین کی خدمت کرتے ہیں اور اُن کی تعریف کرتا ہے جو دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں۔ مَیں خوب سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں کا ایک حصہ جاہل ہے اور دوسرا منافق۔ جو اِس طرح جماعت کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر مَیں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا فضل ایک دن ایسے سب لوگوں کو خس کم جہاں پاک کر دے گا۔ کیونکہ مومنوں کا دَور ابھی آنا ہے۔ بہرحال مَیں جماعت کو یہ انتباہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس بارہ میں ہماری جماعت خطرناک کوتاہی کا ارتکاب کر رہی ہے۔ دین کی خدمت کے لئے جتنے لوگوں کو اپنی زندگی وقف کرنی چاہیئے اُتنے لوگ زندگی وقف نہیں کر رہے اور پھر جو زندگی وقف کرتے ہیں وہ بھی

اپنے فرائض کو پُورے طور پر ادا نہیں کر رہے۔ حالانکہ جب تک اس امر کی طرف توجہ نہیں ہوگی ہمارا کبھی وہ پیمان پُورا نہیں ہوگا جو ہم خدا کے ساتھ بیعت کے وقت کرتے ہیں۔ اور جب تک ہم اپنے پیمان کو پُورا نہیں کرتے اُس وقت تک خدا تعالےٰ کا ہمارے متعلق جو عہد ہے اُس کے بھی ہم کبھی حقدار نہیں ہو سکتے۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم حصہ سوم صفحہ ۲۴۷)

اللہ تعالےٰ ہم سب کو اسلامی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اُس راستہ پر چلائے جو مقبول خدمتِ دین کا راستہ ہے۔ آمین ثم آمین +

ایک ضروری وضاحت

"خالد" کے گزشتہ شمارے میں "جماعتی تنظیموں کی افادیت" کے عنوان سے شائع ہونے والے اداریٰ نوٹ میں ایک پیرا مندرجہ ذیل الفاظ پر مشتمل تھا:-

"حقیقت یہ ہے کہ قرآن شریف سے صرف دو بنیادی حکومتی اداروں کا پتہ چلتا ہے (۱) خلافت (۲) مجلس شوریٰ۔ خلافت اسلامی معاشرہ کا نقطۂ مرکزیہ ہے اور مجلس شوریٰ جو ملت کے نمائندوں کی مجلس ہے جو خلیفۂ وقت کو اہم معاملات میں مشورہ دیتے ہیں خلیفہ وقت ان مشوروں کو قبول کرنے کا پابند نہیں۔ اسلامی نظام اُسے حقِ استرداد دیتا ہے۔ قرآن مجید نے مجلس شوریٰ کو ایک باقاعدہ ادارے کے طور پر تسلیم کیا ہے۔" (خالد۔ اگست ۱۹۶۵ء صفحہ ۹)

اس پیراگراف میں "شوریٰ" کے ضمن میں کچھ توضیح کی ضرورت ہے وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اور وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ کی آیات میں "شوریٰ" کے قیام کا حکم دیا گیا ہے اور قومی معاملات میں مشورہ کی اہمیت واضح فرمائی گئی ہے لیکن "شوریٰ" کو ایک "حکومتی ادارہ" قرار دینے میں ادارہ سے سہو ہوا ہے۔ اگرچہ اگلی سطور میں شوریٰ کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے لیکن امکان ہے کہ غلط فہمی کی بناء پر "شوریٰ" کو حکومت کے اختیارات کا حامل سمجھ لیا جائے۔ ایسا سمجھنا درست نہ ہوگا اور نہ آئینِ اسلامی میں اس کی گنجائش ہے۔ احادیث اور کتبِ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مقدم ہوتے تھے بلکہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔ عہدِ رسالت اور بعد میں خلافتِ راشدہ کے دور میں یہی سلسلہ جاری رہا۔ اربابِ شوریٰ مدینہ کے مہاجرین و انصار ہی ہوا کرتے تھے اور اہم معاملات میں حضرات خلفاء رضی اللہ عنہم ان سے مشورہ لیا کرتے تھے لیکن خلفاء اپنے اختیارات میں آزاد ہوتے تھے۔ اسی طرح مجلس شوریٰ کے انتخاب کا کوئی خاص طریق بھی نہ تھا۔ عالمِ اسلام کے مختلف امصار و دیار یا مختلف علاقوں کی آبادی یا تعداد پر مشتمل کسی فارمولا کے تحت یا پارلیمانی انداز سے نمائندے منتخب ہو کر نہیں آتے تھے۔ یہ امر بھی واضح ہے کہ خلیفہ کے لئے ضروری نہیں کہ ہر معاملہ میں مقررہ "مجلس شوریٰ" ہی سے مشورہ لے یا مجلس شوریٰ کو اختیار ہے کہ وہ خلیفہ کو اپنا مشورہ قبول کرنے پر مجبور کرے۔ خلیفہ کو نظامِ اسلامی نے وسیع اختیارات کے ساتھ شوریٰ پر بھی حاکم تسلیم کیا ہے +

(ادارہ)

معارف القرآن

۲۲ رجولائی ۱۹۶۵ء کو احمدیہ ہال کراچی میں نماز مغرب کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب مدظلہ نے سورۃ نجم کی ابتدائی آیات کا درس ارشاد فرمایا تھا۔ اس درس کے مختصر نوٹس ادارہ اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

اس آیت میں النجم سے مراد ثریا ستارہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور مطلب یہ ہوگا قسم ہے ثریا ستارے کی جب وہ زمین پر گرے گا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ لوکان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجلٌ من ھٰؤلاءِ۔

النجم سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا میں مبعوث ہوں گے اور لوگوں کی ایمانی حالت ثریا پر چلی جائے گی اور وہ اس ایمان کو آسمان سے لا کر لوگوں کے قلوب میں از سر نو قائم کریں گے۔

حضرت جعفر صادقؓ کے نزدیک اس جگہ النجم سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ والنجم اذا ھوٰی سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم جو (مسلمانو!) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو دنیا میں پیش کرتے ہو اور یہ بیان کرتے ہو کہ نجات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہے جب تک تم آسمان کے ستاروں کو زمین پر نہ لے آؤ اس وقت تک تمہارا یہ دعویٰ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

اس میں سب سے بڑھ کر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایمان کو آسمان ثریا سے زمین پر لانا ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں سے ایک شخص کی آمد کا ثبوت ملتا ہے۔

وما ینطق عن الھوٰی۔ اِن ھُوَ الّا وحیٌ یُّوحیٰ۔

ھُوَ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف ہے۔ صرف قرآن کریم بسم اللہ کی ب سے لیکر والناس کی س تک

تمام کا تمام کلام من عند اللہ ہے اور کسی کتاب کا من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔

یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے نہیں بنایا بلکہ قُل اِنَّ صلوٰتی و نُسُکی و محیایَ و مماتی لِلّٰہِ ربّ العٰلمین میں یہ ثبوت ہے کہ یہ میری خواہش سے نہیں بلکہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن کریم نازل ہوا ہے اس میں آپ کی ذاتی خواہشات کا ذرہ بھی دخل نہیں تھا۔ اسی مضمون کا پتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سے گزرے جہاں لوگ کھجور کے نرومادہ کو آپس میں اعلیٰ کھجوریں پیدا کرنے کی غرض سے پیوند کر رہے تھے۔ آپؐ نے تعجب سے فرمایا ایسا تو ممکن نہیں ہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں بھی اِن باتوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ یہ کلامِ الٰہی آپؐ کی ذاتی خواہشات کا نتیجہ نہیں بلکہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔

قرآن مجید میں ضمائر کے استعمال سے معانی میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا جو بڑی طاقتوں والا ہے۔ یہاں شدید القوٰی سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اپنی قدرتوں کا اظہار فرمایا۔

هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی۔

هُوَ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یعنی آپؐ کا مقام اتنا بلند ہے کہ تمام انسانوں سے بلند مقام آپؐ کو حاصل ہے۔ یعنی وہ اُفقِ اعلیٰ پر ہیں۔

دَنٰی فَتَدَلّٰی۔

آپؐ خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرنے کے لئے اُوپر گئے۔ اور پھر آپؐ کے اس بلند مقام کو لوگوں پر واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ بھی قریب ہوا یعنی اس میں آپؐ کے مقامِ شفاعت کی طرف اشارہ ہے۔ کہ تمام انسانوں میں انصاف اور شفاعت کا مقام حاصل کرنے کے لحاظ سے صرف یہی ایک وجود ہے۔ ما اعظم شانک یا رسول اللہ۔

بعض صفاتِ الٰہیہ حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ ظاہر ہوئیں، بعض دوسرے انبیاء کے ذریعہ سے لیکن تمام صفاتِ الٰہیہ کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوا ہے۔ اسی لئے آپؐ تمام انبیاء سے بھی افضل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فیضانِ الٰہی کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے ایک ایسا وجود پیدا کیا جو اس کا اہل تھا یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود۔

شفاعت کا مطلب یہی ہے کہ ایک طرف انسانوں کے دلوں سے گند کو نکالے اور دوسری طرف اللہ تعالےٰ کی طرف سے پاکیزہ پانی یعنی تعلیم اور روحانیت لوگوں تک پہنچائے۔ یہ مقام شفاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل تھا۔

جب دنیٰ فتدلیٰ کا مقام آپؐ کو حاصل ہوگیا تو پھر روح الامین کی تجلی آپؐ پر ظاہر ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تجلی روح القدس کی تجلی قرار دی ہے۔

مَا اَوْحٰی سے مراد قرآن مجید بھی ہوسکتا ہے اور دوسری خوشخبریاں بھی ہیں جو اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور پیشگوئی کے دیں۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔

آنکھ اور دل نے مل کر دیکھا۔ کیا تم اس روحانی تجلی کے متعلق جھگڑا کرتے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی معراج کی طرف اس میں اشارہ ہے۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى۔

وہ مقام جہاں تمام انسانوں کا مقام ختم ہو جاتا ہے وہاں تمام انسانوں کے علوم ختم ہو جاتے ہیں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

مُنتہیٰ میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کی شریعت کامل ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ دائمی شریعت ہے کوئی تغیر و تبدل اپنے اندر نہیں رکھتی۔ جیسا کہ فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ٥

سِدْرَة کے معنے عربی میں حیران ہونے کے بھی ہیں۔ یعنی آپؐ کو وہ مقام حاصل ہوگا کہ تمام عقول حیران رہ جائیں گی۔ یعنی آپؐ کی کامل تابعداری سے نبوت جیسے انعامات مل سکتے ہیں۔ پھر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری تابعداری کرے گا اُس کو جنت الماویٰ حاصل ہوگا +

احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بظاہر غریب لیکن مرتبہ بلند

حضرت ابو عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی بیٹھا تھا کہ ایک اور شخص وہاں سے گزرا۔ حضورؐ نے اپنے پاس بیٹھنے والے سے پوچھا اس شخص کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اُس نے کہا شریف لوگوں میں سے ہے اور اس قابل ہے کہ اگر یہ رشتہ چاہے تو اسے دیدیا جائے، اگر سفارش کرے تو وہ قبول کی جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش رہے۔ پھر ایک اور شخص کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپؐ نے اپنے پاس بیٹھنے والے سے دریافت کیا کہ تیری رائے میں یہ (دوسرا) شخص کیسا ہے؟ اس نے کہا حضور یہ فقیر مسلمانوں میں سے ہے اور اس قابل ہے کہ اگر رشتہ مانگے تو کوئی اس سے نکاح نہ کرے اور اگر سفارش کرے تو وہ قبول نہ کی جائے اور اگر کوئی بات کرے تو اس کی بات نہ سُنی جائے۔ اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر پہلے شخص جیسوں سے ساری زمین بھر بھی جائے تو یہ دوسرا شخص ان سے بہتر ہے۔

(بخاری)

قیامت کے روز

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مومن کی دنیاوی تکلیف کو دُور کرے تو خدا قیامت کے دن اُس کا رنج دُور کرے گا۔ اور جو شخص کسی تنگدست کی مشکل آسان کرے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اُسے سہولت دے گا۔ اور جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالےٰ دنیا و آخرت میں اسکی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کا معاون رہے۔ اور جو شخص علم کی طلب میں سفر کرے اللہ تعالیٰ جنّت کی جانب اس کا رستہ آسان کر دیتا ہے۔ اور جو قوم اللہ کے گھر میں کتاب اللہ پڑھے اور باہم درس و تدریس کے لئے جمع ہوتی ہے اللہ اُن پر اپنی سکینت نازل فرماتا ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے مقرب ملائکہ سے ان کا ذکر کرتا ہے اور جس شخص کو قیامت کے روز اس کا عمل پیچھے کر دے گا شرافتِ نسبی اُسے آگے نہیں کر سکتی۔

(مسلم)

کلام الامامؑ امام الکلام

کہاں تک حرصِ شوقِ مالِ فانی؟

کہاں تک حرصِ شوقِ مالِ فانی　　اُٹھو۔ ڈھونڈو۔ متاعِ آسمانی

کہاں تک جوشِ آمال و امانی　　یہ سو سو چھید ہیں تم میں نہانی

تو پھر کیوں کر ملے وہ یارِ جانی　　کہاں غربال میں رہتا ہے پانی

کرو کچھ فکرِ مُلکِ جاودانی　　یہ مُلک و مال ہے جھوٹی کہانی

بسر کرتے ہو غفلت میں جوانی　　مگر دل میں یہی تم نے ہے ٹھانی

خدا کی ایک بھی تم نے نہ مانی　　ذرا سوچو یہی ہے زندگانی

خدا نے اپنی رہ مجھ کو دکھا دی
فسُبحان الّذی اَخزی الاعادی

کرو توبہ کہ تا ہو جائے رحمت　　دکھاؤ جلد تر صدق و اِنابت

کھڑی ہے سر پہ ایسی ایک ساعت　　کہ یاد آجائے گی جس سے قیامت

مجھے یہ بات مولیٰ نے بتا دی
فسُبحان الّذی اَخزی الاعادی

(دُرِّ ثمین)

امانت و دیانت

(سلطان القلم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

دوسری قسم ترک شر کے اقسام میں سے وہ خلق ہے جس کو امانت و دیانت کہتے ہیں یعنی دوسرے کے مال پر شرارت اور بدنیتی سے قبضہ کر کے اس کو ایذا پہنچانے پر راضی نہ ہونا۔ سو واضح ہو کہ دیانت اور امانت انسان کی طبعی حالتوں میں سے ایک حالت ہے۔ اسی واسطے ایک بچہ شیر خوار بھی جو بوجہ کم سنی اپنی طبعی سادگی پر ہوتا ہے اور نیز بباعث صغر سنی ابھی بری عادتوں کا عادی نہیں ہوتا، اس قدر غیر کی چیز سے نفرت رکھتا ہے کہ غیر عورت کا دودھ بھی مشکل سے پیتا ہے۔ اگر بے ہوشی کے زمانہ میں کوئی اور دایہ مقرر نہ ہو تو ہوش کے زمانہ میں اس کو دوسرے کا دودھ پلانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور اپنی جان پر بہت تکلیف اٹھاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس تکلیف سے مرنے کے قریب ہو جائے مگر دوسری عورت کے دودھ سے طبعاً بیزار ہوتا ہے۔ اس قدر نفرت کا بھید کیا ہے؟ بس یہی کہ وہ والدہ کو چھوڑ کر غیر کی چیز کی طرف رجوع کرنے سے طبعاً متنفر ہے اب ہم جب ایک گہری نظر سے بچہ کی اس عادت کو دیکھتے اور اس پر غور کرتے ہیں اور فکر کرتے کرتے اس عادت کی تہہ تک چلے جاتے ہیں تو ہم پر صاف کھل جاتا ہے کہ یہ عادت جو غیر کی چیز سے اس قدر نفرت کرتا ہے کہ اپنے اوپر مصیبت ڈال لیتا ہے یہی جڑھ دیانت اور امانت کی ہے۔ اور دیانت کے خلق میں کوئی شخص راستباز نہیں ٹھہر سکتا جب تک بچہ کی طرح وہ غیر کے مال کے بارے میں بھی سچی نفرت اور کراہت اس کے دل میں پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن بچہ اس عادت کو اپنے محل پر استعمال نہیں کرتا اور اپنی بے وقوفی کے سبب سے بہت کچھ تکلیفیں اٹھا لیتا ہے۔ لہذا اس کی یہ عادت صرف ایک حالت طبعی ہے جس کو وہ بے اختیار ظاہر کرتا اس لئے وہ حرکت اس کے خلق میں داخل نہیں ہو سکتی گو انسانی سرشت میں اصل جڑھ خلق دیانت و امانت کی وہی ہے جیسا کہ بچہ اس غیر معقول حرکت سے متدین اور امین نہیں کہلا سکتا ایسا ہی وہ شخص بھی اس خلق سے متصف نہیں ہو سکتا جو اس طبعی حالت کو محل پر استعمال نہیں کرتا۔ امین اور دیانت دار بننا بہت نازک امر ہے۔ جب تک انسان تمام پہلو بجا نہ لاوے امین اور دیانتدار نہیں ہو سکتا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نمونہ کے طور پر آیات مفصلہ ذیل میں امانت کا طریق سمجھایا ہے اور وہ طریق امانت

یہ ہے:-

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا وَّارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَّبِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَّسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝

یعنی اگر کوئی ایسا تم میں مالدار ہو جو صحیح عقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضائع کر دے گا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ تمام مال جس پر سلسلہ تجارت اور معیشت کا چلتا ہے ان بے وقوفوں کے حوالہ مت کرو۔ اور اس مال میں سے بقدرِ ضرورت اُن کے کھانے اور پہننے کے لئے دے دیا کرو۔ اور اُن کو اچھی باتیں قولِ معروف کی کہتے رہو یعنی ایسی باتیں جن سے اُن کی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طور سے ان کے مناسب حال تربیت ہو اور جاہل و ناتجربہ کار نہ رہیں۔ اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے ان کو سکھلاؤ۔ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب حال اُن کو پختہ کر دو۔ غرض ساتھ ساتھ ان کو تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کا وقتاً فوقتاً امتحان بھی کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھلایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ پھر جب نکاح کے لائق ہو جائیں یعنی عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ اُن میں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہو گئی ہے تو اُن کا مال اُن کے حوالہ کرو۔ اور فضول خرچی کے طور پر اُن کا مال خرچ نہ کرو۔ اور نہ اس خوف سے جلدی کر کے کہ اگر یہ بڑے ہو جائیں گے تو اپنا مال

ھا ۴:۷

ھ ۴:۹-۱۰

لے لیں گے اُن کے مال کا نقصان کرو۔ جو شخص دولتمند ہو اُس کو نہیں چاہیئے کہ ان کے مال میں سے کچھ حق الخدمت لیوے لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے۔

عرب میں مالی محافظوں کے لئے یہ طریق معروف تھا کہ اگر یتیموں کے کارپرداز اُن کے مال میں سے لینا چاہتے تو حتی الوسع یہ قاعدہ جاری رکھتے کہ جو کچھ یتیم کے مال کو تجارت سے فائدہ ہو اُس میں سے آپ بھی لیتے راس المال کو تباہ نہ کرتے۔ سو اسی عادت کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی ایسا کرو۔ اور پھر فرمایا کہ جب تم یتیموں کو مال واپس کرنے لگو تو گواہوں کے روبرو ان کا مال دو۔ اور جو شخص فوت ہونے لگے اور بچے اُس کے صغیر السن ہوں تو اس کو نہیں چاہیئے کہ کوئی ایسی وصیت کرے کہ جس سے بچوں کی حق تلفی ہو۔ جو لوگ ایسے طور سے یتیم کا مال کھاتے ہیں جس سے یتیم پر ظلم ہو جائے تو وہ مال نہیں کھاتے بلکہ آگ کھاتے ہیں۔ اور آخر جلانے والی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

اب دیکھو خدا تعالیٰ نے دیانت اور امانت کے کس قدر پہلو بتائے۔ سو حقیقی دیانت اور امانت وہی ہے جو ان تمام پہلوؤں کے لحاظ سے ہو۔ اور اگر پوری عقلمندی کو دخل دے کر امانت داری میں تمام پہلوؤں کا لحاظ نہ ہو تو ایسی دیانت اور امانت کئی طور سے چھپی ہوئی خیانتیں اپنے ہمراہ رکھے گی۔

اور پھر دوسری جگہ فرمایا :-

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ؁[1]

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا ؁[2]

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ؁[3]

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ؁[4]

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ ؁[5]

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ؁[6]

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ؁[7]

یعنی آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طور پر مت کھایا کرو۔ اور نہ اپنے مال کو رشوت کے طور پر حکام تک پہنچایا کرو۔ تا اس طرح پر حکام کی اعانت سے دوسروں کے مالوں کو دبا لو۔ امانتوں کو اُن کے حقداروں کو واپس دے دیا کرو۔ خدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جب تم ماپو تو پورا ماپو۔ جب تم وزن کرو تو پوری اور بے خلل ترازو سے وزن کرو۔ اور کسی طور سے لوگوں کو اُن کے مال کا نقصان نہ پہنچاؤ اور فساد کی نیت سے زمین پر مت پھرا کرو۔ یعنی اس نیت سے کہ چوری

---

[1] ۲: ۱۸۹، [2] ۴: ۵۹، [3] ۸: ۵۹، [4] ۱۷: ۳۶، [5] ۲۶: ۱۸۴، [6] ۲: ۶۱، [7] ۴: ۳

کریں یا ڈاکہ ماریں یا کسی کی جیب کتریں یا کسی اور ناجائز طریق سے بیگانہ مال پر قبضہ کریں۔ اور پھر فرمایا کہ تم اچھی چیزوں کے عوض میں خبیث اور ردی چیزیں نہ دیا کرو۔ یعنی جس طرح دوسروں کا مال دبا لینا ناجائز ہے اسی طرح خراب چیزیں بیچنا یا اچھی کے عوض میں خبیث اور ردی چیزیں نہ دیا کرو۔ یعنی جس طرح دوسروں کا مال دبا لینا ناجائز ہے اسی طرح خراب چیزیں بیچنا، اچھی کے عوض میں بری دینا بھی ناجائز ہے۔

ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ نے تمام طریقے بد دیانتی کے بیان فرما دیئے اور ایسا کلام کلی کے طور پر فرمایا جس میں کسی بد دیانتی کا ذکر باہر نہ رہ جاوے۔ صرف یہی نہیں کہا کہ تو چوری نہ کر تا ایک نادان یہ نہ سمجھ لے کہ چوری تو میرے لئے حرام ہے مگر دوسرے ناجائز طریقے سب حلال ہیں۔ اس کلمہ جامع کے ساتھ تمام ناجائز طریقوں کو حرام ٹھہرانا یہی حکمت بیانی ہے۔ غرض اگر کوئی اس بصیرت سے دیانت اور امانت کا خلق اپنے اندر نہیں رکھتا اور ایسے تمام پہلوؤں کی رعایت نہیں کرتا وہ اگر دیانت و امانت کو بعض امور میں دکھلاوے بھی تو یہ حرکت اس کی خلق دیانت میں داخل نہ سمجھی جائے گی بلکہ ایک طبعی حالت ہوگی جو عقلی تمیز اور بصیرت سے خالی ہے"۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی ص۵۶ تا ص۶۲)

شوریٰ　علمی مقابلے　ورزشی مقابلے

تربیتی　　　تبلیغی

خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا چوبیسواں سالانہ اجتماع

بمقام ربوہ

مورخہ ۲۲-۲۳-۲۴/ اخاء ۱۳۴۴ ہش / اکتوبر ۱۹۶۵ء

بعض اہم تاریخیں

- اجتماع میں شمولیت کرنیوالے خدام کی تعداد کی اطلاع　۱۰/ستمبر
- تجاویز برائے شوریٰ　۱۵/ستمبر
- نمائندگان شوریٰ　۱۰/اکتوبر
- علمی مقابلے　۱۰/اکتوبر
- چندہ سالانہ اجتماع　۳۰/ستمبر
- ورزشی مقابلے　۲۰/اکتوبر
- تجاویز برائے پروگرام اجتماع　۱۵/ستمبر

معتمد
مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ

کلام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہٗ

مردوں کی طرح باہر نکلو اور ناز و ادا کو رہنے دو

مردوں کی طرح باہر نکلو اور ناز و ادا کو رہنے دو
سِل رکھ لو اپنے سینوں پر اور آہ و بکا کو رہنے دو

اب تیرِ نظر کو پھینک کے تم اک خنجرِ آہن ہاتھ میں لو
یہ فولادی پنجوں کے ہیں دن اب دستِ حنا کو رہنے دو

کیا جنگوں سے مومن کو ہے ڈر وہ موت سے کھیلا کرتا ہے
تم اُس کے سر کرنے کے لئے میدانِ وغا کو رہنے دو

ایام طرب میں ساتھ رہے جب غم آیا تم بھاگ اُٹھے
ہے دیکھی ہوئی اپنی یہ وفا تم اپنی وفا کو رہنے دو

مسلم جو خدا کا بندہ تھا افسوس کہ اب یوں کہتا ہے
اسباب کرو کوئی پیدا جبریل و خدا کو رہنے دو

خود کام کو چوپٹ کر کے تم اللہ کے سر منڈھ دیتے ہو
تم اپنے کاموں کو دیکھو اور اُس کی قضا کو رہنے دو

جو اُس کے پیچھے چلتے ہیں ہر قسم کی عزت پاتے ہیں
لگ جاؤ اُسی کی طاعت میں اور چون و چرا کو رہنے دو

وہ اُس کی تیکھی چتون میں جنت کا نظارہ دیکھتا ہے
اس جور و جفا کے واسطے تم پابندِ وفا کو رہنے دو

اسلامی طریقِ حکومت

(حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ)

درج ذیل سطور میں جو حضرت صاحبزادہ صاحب رضؓ کی معرکۃ الآراء تصنیف "سیرۃ خاتم النبیینؐ" حصہ دوم سے نقل کی گئی ہیں۔ اسلامی طریقِ حکومت کے نازک موضوع کو احسن پیرائے میں واضح کیا گیا ہے ——— عرصہ سے یہ مایۂ ناز تصنیف جو غیر از جماعت ذی علم اصحاب سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے، نایاب ہے۔ ہم اس وقت کے منتظر ہیں جب الشرکۃ الاسلامیہ وغیرہ اس علمی خزانے کو پھر سے شائع کر کے اہلِ علم کی تشنگی کا مداوا کرے گی۔ (ایڈیٹر)

اس کے متعلق سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہیئے کہ جیسا کہ دوسرے دنیاوی امور میں اسلام کا طریق ہے اس معاملہ میں اسلام نے صرف ایک اصولی تعلیم دی ہے اور تفصیلات کے تصفیہ کو ہر زمانہ اور ہر ملک اور ہر قوم کے حالات پر چھوڑ دیا ہے اور دراصل اس قسم کے معاملات میں یہی طریق عقلمندی اور میانہ روی کا طریق ہے کہ صرف اصولی ہدایت پر اکتفا کی جاوے اور تفصیلات میں دخل نہ دیا جاوے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو اور حالات کے اختلاف کا لحاظ رکھنے کے بغیر ہر زمانہ میں ہر قوم پر ایک ہی ٹھوس غیر مبدل اور تفصیلی قانون جاری کر دیا جاوے تو ظاہر ہے کہ قانونِ شریعت رحمت کی بجائے ایک زحمت ہو جاوے۔ اور ہدایت کی بجائے ضلالت کا سامان پیدا کر دے۔ پس اسلام نے کمال دانشمندی کے ساتھ اس معاملہ میں صرف ایک اصولی ہدایت دی ہے جو تفصیلات کے مناسب اختلاف کے ساتھ سب قسم کے حالات پر یکساں چسپاں ہوتی ہے۔

حکومت کا اصل حق صرف جمہور کو حاصل ہے اور جمہور کی طرف سے افراد کو پہنچتا ہے

... اصولی ہدایت یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین کے معاملہ کو الگ رکھتے ہوئے جنہیں خدا کی طرف سے اس کے ازلی حق میں سے حکومت کا حق پہنچتا ہے سب لوگ حکومت کے حق میں برابر ہیں یعنی اصل حکومت جمہور کی ہے اور اس حق میں کسی

شخص کو دوسروں کی نسبت فائق حق حاصل نہیں ہے لیکن چونکہ نظام حکومت کو چلانے کے لئے ایک محدود انتظامی حکومت کا ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حکومت کی انتہائی باگ ڈور ایک حاکم اعلیٰ یعنی صدرِ حکومت کے ہاتھ میں ہو اس لئے اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ لوگوں کو چاہیئے کہ باہم مشورہ کے ساتھ جس شخص کو حکومت کے لئے سب سے زیادہ اہل سمجھیں اُسے اپنا امیر مقرر کر لیا کریں۔ چنانچہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ [1]

"یعنی اے لوگو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ حکومت کی امانت تم اس کے اہل لوگوں کے سپرد کیا کرو اور پھر جو لوگ اس طرح حاکم منتخب ہوں انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ وہ لوگوں میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کریں۔"

اس اصولی آیت میں حکومت کے حق کو امانت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ در اصل حکومت کا حق سب لوگوں کا مشترکہ حق ہے اور خاص افراد کو جمہور کی طرف سے ایک امانت کے طور پر ملتا ہے پس جس شخص کو حکومت ملے اُسے سمجھنا چاہیئے کہ یہ ایک امانت ہے جو لوگوں کی طرف سے اُسے ملی ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ابوذر صحابی نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ مجھے کسی علاقہ کا امیر مقرر فرما دیں اس پر آپ نے فرمایا :-

یا اباذر انک ضعیف و انها امانة وانها یوم القیامة خزی و ندامة الا من اخذها بحقها وادی الذی علیه فیها۔ [2]

"یعنی اے ابوذر تم ایک ضعیف انسان ہو اور حکومت ایک امانت ہے اور قیامت کے دن وہ ذلت و ندامت کا موجب ہو گی سوائے اس شخص کے جو اس کے پورے پورے حقوق ادا کرے۔"

اس حدیث میں حکومت کو امانت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی یہ کہ حکومت کا حق صرف جمہور کو حاصل ہے اور کسی خاص فرد کو اس کا حق جمہور کی طرف سے صرف ایک امانت کے طور پر ملتا ہے۔

---

[1] نساء ۸

[2] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب کراہیۃ الامارۃ

چونکہ حکومت ایک امانت ہے اس لئے حاکم اعلیٰ کا تقرر تو الگ رہا ماتحت حکام کے تقرر میں بھی اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو حاکم مقرر نہ کیا جاوے جو خود حکومت کا خواہشمند ہو چنانچہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں :-

انا واللہِ لا نولّی ھٰذا العمل احداً سألہٗ ولا احداً حرص علیہ [1]

"یعنی خدا کی قسم ہم کبھی کسی ایسے شخص کو حکومت کا کوئی عہدہ نہیں دیں گے جو خود اس عہدہ کو طلب کرے یا اس کا خواہشمند ہو۔"

حکومت کے لئے مشورہ ضروری ہے

جو لوگ لوگوں کے مشورہ سے حاکم منتخب ہوں ان کی ہدایت کے لئے اسلام یہ اصولی تعلیم ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّھِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ٥ [2]

یعنی مومنوں کا یہ کام ہے کہ وہ خدا کی پوری پوری فرمانبرداری اختیار کریں اور اس کی عبادت پر قائم رہیں اور حکومت کے امور باہم مشورہ کے ساتھ طے کریں اور جو اموال خدا نے انہیں دیئے ہیں انہیں لوگوں پر خرچ کریں۔"

اس آیت میں حاکم کا یہ فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ امیر منتخب ہونے کے بعد خود مختارانہ اور جابرانہ طریق اختیار نہ کرے بلکہ اس اصول کو یاد رکھتے ہوئے کہ اس کی حکومت اس کے پاس محض ایک امانت کے طور پر ہے رائے عامہ کو معلوم کرتا رہے اور لوگوں کے مشورہ کے ساتھ حکومت کے فرائض سرانجام دے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلعم سے بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللہِ [3]

"یعنی اے نبی تم حکومت کے معاملات میں لوگوں سے مشورہ لیا کرو مگر مشورہ کے بعد جب تم کوئی رائے قائم کر لو تو پھر اللہ پر توکل کرو۔"

یہ ہدایت قرآنی محاورہ کے مطابق صرف آپ ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ آپ کے خلفاء اور متبعین کے لئے بھی ہے۔

---

[1] مسلم کتاب الامارۃ باب النھی عن طلب الامارۃ۔

[2] قرآن ۔ شوریٰ ۴

[3] آل عمران ۱۷

خلاصہ کلام یہ کہ طریقِ حکومت کے معاملہ میں اسلام صرف دو اصولی ہدایتیں دیتا ہے۔ اوّل یہ کہ حکومت کا حق سب لوگوں کا مشترک حق ہے اور ایسی صورت میں لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے میں سے بہترین شخص کو باہم مشورہ کے ساتھ امیر منتخب کیا کریں۔ دوسرے یہ کہ جو شخص امیر بنے اور حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں آئے اس کا فرض ہے کہ اس امانت کو حق وانصاف کے ساتھ ادا کرے اور سیاست وحکومت کے جملہ اہم امور لوگوں کے مشورہ کے ساتھ سرانجام دے۔ گویا حکومت کے معاملہ میں اسلام نے ورثہ کے حق کو قطعاً تسلیم نہیں کیا اور نہ اس بات کو جائز رکھا ہے کہ کوئی حاکم رائے عامہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اور مشورہ کے طریق کو چھوڑ کر حکومت میں استبدادی اور خود مختارانہ طریق اختیار کرے لیکن جیسا کہ موجودہ زمانہ میں بھی یہ اصول ویٹو وغیرہ کی صورت میں عام طور پر مسلّم ہے اسلام نے استثنائی حالات میں امیر کے لئے یہ حق تسلیم کیا ہے کہ وہ اگر ضروری سمجھے تو کثرت رائے کے حق کو رد کر دے۔[1] مگر اسلامی شریعت کی رُو سے امیر بہرحال اس بات کا پابند قرار دیا گیا ہے کہ کوئی اہم معاملہ مشورہ لینے کے بغیر طے نہ کرے حتیٰ کہ آنحضرت صلعم کے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے جو اسلامی سیاسیات میں نہایت ماہر سمجھے گئے ہیں یہاں تک فرمایا ہے کہ:-

لاخلافۃ اِلّا بالمشورۃ[2]

"یعنی کوئی اسلامی حکومت مشورہ کے انتظام کے بغیر جائز تسلیم نہیں کی جاسکتی۔"

یہ وہ اصولی ہدایتیں ہیں جو اسلام نے حکومت کے طریق کے متعلق جاری فرمائی ہیں لیکن جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے اسلام نے ان اصولی ہدایات کے سوا اس مسئلہ کی تفصیلات میں کوئی دخل نہیں دیا۔ مثلاً اس قسم کے سوالات کے متعلق اسلام نے کوئی معین ہدایات نہیں دیں کہ امیر یعنی صدرِ حکومت کے انتخاب کے متعلق کس طریق پر مشورہ ہونا چاہیئے۔ اور مجلس شوریٰ کی تقویم کونسے اصول پر مبنی ہو۔ اور جب کوئی امیر منتخب ہو جاوے تو وہ امورِ مملکت میں پبلک سے مشورہ لینے کے متعلق کیا طریق اختیار کرے اور مشورہ میں کس قسم کے امور پیش ہوں اور نظامِ حکومت کی جزئیات کیا ہوں وغیرہ ذالک۔ یہ باتیں اور اسی قسم کی دوسری تفصیلات ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ کے حالات پر چھوڑ دی گئی ہیں۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کس طرح قائم ہوئی؟

اس جگہ بعض لوگوں کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر اسلامی تعلیم کی رُو سے امیر یا خلیفہ کا تقرر مشورہ اور انتخاب کے طریق پر

[1] دیکھو سورۃ آل عمران رکوع ۱۷ کی آیت مندرجہ بالا۔

[2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔

ہونا ضروری ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ خلیفۂ ثانی کا تقرر اس طریق پر نہیں ہوا بلکہ انہیں حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اوّل نے خود مقرر کر دیا تھا اور پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کا تقرر بھی رائے عامہ کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ حضرت عمرؓ نے اس حق کو چھ سات صحابہ تک محدود کر دیا تھا اور بالآخر کیا وجہ ہے کہ امرائے بنی امیہ اور بنی عباس وغیرہ ہمیشہ اپنا ولی عہد خود مقرر کر دیتے تھے جو عموماً کوئی بیٹا یا قریبی رشتہ دار ہوتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات یہ فیصلہ کر جاتے تھے کہ ہمارے بعد فلاں شخص امیر ہو اور اس کے بعد فلاں اور اس کے بعد فلاں۔ اور ان کے زمانہ میں کبھی بھی مشورہ اور انتخاب کے طریق پر امیر کا تقرر نہیں ہوا۔

اس شبہ کے جواب میں پہلے ہم حضرت عمرؓ کی خلافت کے سوال کو لیتے ہیں۔ سو جاننا چاہیئے کہ بے شک اسلام میں خلافت و امارت کے قیام کے لئے مشورہ اور انتخاب کا طریق ضروری ہے مگر جیسا کہ ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں مشورہ اور انتخاب کے طریق کی نوعیت اور اس کی تفاصیل کے متعلق اسلام نے کوئی خاص شرط یا حد بندی مقرر نہیں کی بلکہ اس قسم کے فروعی سوالات کو وقتی حالات پر چھوڑ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ مختلف قسم کے حالات میں مشورہ اور انتخاب کی صورت مختلف ہو سکتی ہے اور اس اصل کے ماتحت اگر نظرِ غور سے دیکھا جاوے تو حضرت عمرؓ کی خلافت کا قیام بھی درحقیقت مشورہ اور انتخاب کے اصول کے ماتحت ہی ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کا معاملہ یوں طے ہوا تھا کہ جب حضرت ابوبکرؓ جو ایک منتخب شدہ خلیفہ تھے فوت ہونے لگے تو چونکہ اس وقت تک ابھی فتنۂ ارتداد کے اثرات پوری طرح نہیں مٹے تھے اور خلافت کا نظام بھی ابھی ابتدائی حالت میں تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ آئندہ خلافت کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور اہل شخص حضرت عمرؓ ہیں اور یہ کہ اگر خلیفہ کے انتخاب کو رائے عامہ پر چھوڑ دیا گیا تو ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی طبیعت کی ظاہری سختی کی وجہ سے انتخاب میں نہ آسکیں اور اُمتِ محمدیہ میں کسی فتنہ کا دروازہ کھل جاوے۔ اہل الرائے صحابہ کو بلا کر اُن سے مشورہ لیا اور اس مشورہ کے بعد حضرت عمرؓ کو جن کا حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا۔ بلکہ قبیلہ تک جُدا تھا اپنا جانشین مقرر کر دیا[1]۔ حالانکہ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے اپنے صاحبزادے اور دیگر اعزہ و اقارب کثرت کے ساتھ موجود تھے۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ صورت ایسی ہے کہ اسے ہرگز مشورہ اور انتخاب کی رُوح کے منافی نہیں سمجھا جا سکتا۔ کیونکہ اوّل تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ فیصلہ خود بخود نہیں کیا بلکہ اہل الرائے صحابہ کے

---

[1] طبری و تاریخ کامل ابن اثیر حالات سنہ ۱۳ ہجری نیز موطا مالک بحوالہ تلخیص الصحاح باب فی ذکر الخلفاء الراشدین۔

مشورہ کے بعد کیا تھا۔ دوسرے حضرت ابوبکرؓ خود ایک منتخب شدہ خلیفہ تھے جس کی وجہ سے گویا ان کا ہر فیصلہ قوم کی آواز کا رنگ رکھتا تھا اور پھر انہوں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا جس کے معاملہ میں یہ امکان نہیں ہو سکتا تھا کہ لوگ خلیفۂ وقت کی قرابت کا لحاظ کر کے مشورہ میں کمزوری دکھائیں گے۔ اس صورت میں ہرگز یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ مشورہ اور انتخاب کے طریق کو توڑا گیا ہے بلکہ یہ صورت بھی درحقیقت مشورہ کی ایک قسم سمجھی جائے گی۔ علاوہ ازیں حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق آنحضرت صلعم کی ایک صریح پیشگوئی بھی تھی[1] جس کی وجہ سے کسی مسلمان کو ان کی خلافت پر اعتراض نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہوا بلکہ سب نے کمال انشراح کے ساتھ اسے قبول کیا۔

دوسرا سوال حضرت عثمانؓ کی خلافت کا ہے سو اول تو ان کا انتخاب خواہ محدود مشورہ سے ہی ہوا ہو مگر بہرحال وہ بطریق مشورہ تھا[2] اور ان کی خلافت کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سابقہ

[1] بخاری و مسلم ابواب فضائل اصحاب فضائل حضرت عمرؓ۔
[2] بخاری کتاب فضائل اصحاب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان عن عمرو بن میمون نیز بخاری و مسلم عن معدان بن ابی طلحہ و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی عن ابن عمر بحوالہ تلخیص الصحیح باب فی ذکر الخلفاء الراشدین۔

خلیفہ کے حکم سے قائم ہوئی تھی اور چونکہ اسلام نے مشورہ اور انتخاب کے طریق کی تفاصیل میں دخل نہیں دیا بلکہ تفاصیل کے تصفیہ کو وقتی حالات پر چھوڑ دیا ہے اس لئے محدود مشورہ کا طریق جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے متعلق اختیار کیا گیا وہ ہرگز اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں سمجھا جا سکتا خصوصاً جبکہ اس بات کو بھی مدنظر رکھا جاوے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جو اس شوریٰ کے صدر تھے جس نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا فیصلہ کیا اپنے طور پر بہت سے اہل الرائے صحابہ سے مشورہ کر لیا تھا اور رائے عامہ کے ٹٹولنے کے بعد خلافت کا فیصلہ کیا گیا تھا[1] اور پھر یہ کہ اس وقت حالات ایسے تھے کہ اگر اس معاملہ کو کھلے طریق پر رائے عامہ پر چھوڑا جاتا تو ممکن تھا کہ کوئی فتنہ کی صورت پیدا ہو جاتی۔ علاوہ ازیں حضرت عمرؓ نے یہ بھی تصریح کر دی تھی کہ گو میرے لڑکے کو مشورہ میں شامل کیا جاوے مگر اسے خلافت کا حق نہیں ہوگا[2] پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ کی طرح حضرت عثمانؓ کی خلافت کے متعلق بھی آنحضرت صلعم کی پیشگوئی تھی[3] اس لئے ان کی خلافت پر کسی مسلمان کو اعتراض نہیں ہوا۔

بنو امیہ کی خلافت صحیح اسلامی خلافت نہ تھی

اب رہا ملوک بنو امیہ اور بنو عباس کا سوال سو ان کا طریق خلافت

[1] بخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام نیز طبری و تاریخ کامل حالات استخلاف حضرت عثمانؓ [2] بخاری کتاب فضائل باب قصۃ البیعۃ عن عمرو بن میمون [3] مسلم باب من فضائل عثمان و ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ باب

واقعی اسلامی طریق کے خلاف تھا اور محققینِ اسلام نے کبھی بھی ان کی امارت کو اسلامی طریق کی امارت نہیں سمجھا اس لئے وہ قابلِ حجت نہیں ہے۔ تاریخ و حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر آتا ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے بعض غلط مشوروں میں آکر پہلی دفعہ اسلام میں یہ بدعت جاری کرنی چاہی یعنی جمہور سے حقِ انتخاب عملاً چھین کر اپنے بیٹے یزید کو اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین مقرر کر دینا چاہا تو ان کبار صحابہؓ میں سے اکثر نے جو اس وقت زندہ تھے ان کی مخالفت کی۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ یہ طریق اسلامی تعلیم کے خلاف ہے کہ خلیفہ کی زندگی میں ہی اس کے بیٹے کیلئے بیعت کا عہد لیا جا رہا ہے[1]۔ مگر امیر معاویہ نے نہ مانا اور عوام کا سہارا ڈھونڈ کر یزید کو اپنا جانشین مقرر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب امیر معاویہ فوت ہو گئے تو جو تھوڑے بہت صحابہؓ اس وقت بقیدِ حیات تھے وہ گو فتنہ کے خیال سے خاموش رہے مگر جیسا کہ تاریخ و حدیث میں اشارے ملتے ہیں انہوں نے دل میں یزید کی امارت کو قبول نہیں کیا بلکہ حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے تو اس طریق کو اسلامی تعلیم کے اس قدر خلاف سمجھا کہ باوجود نہایت درجہ کمزوری کی حالت میں ہونے کے وہ یزید کے مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور بالآخر اسی جنگ میں امام حسینؓ تو یزید کے زمانہ میں ہی اور عبداللہ بن زبیرؓ کچھ عرصہ بعد شہید ہو گئے[1]۔ مگر انہوں نے اس استبدادی حکومت کے سامنے جسے وہ اسلامی طریق کے خلاف سمجھتے تھے گردن نہیں جھکائی لیکن امیر معاویہ کی یہ غلطی بعد میں آنے والوں کے لئے ایک مثال بن گئی اور اس وقت سے بادشاہی رنگ میں ولی عہدی کا طریق جاری ہو گیا۔

اس بات کا ثبوت کہ امیر معاویہ اور اُن کے بعد میں آنے والے امراء کی امارت صحیح اسلامی خلافت نہیں تھی بلکہ صرف ایک بادشاہت تھی اس بات سے بھی ملتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد صحیح اسلامی خلافت صرف تیس سال رہے گی اور اس کے بعد بادشاہت کا طریق جاری ہو جائے گا[2]۔ اور اگر حساب کیا جاوے تو حضرت علیؓ یا امام حسنؓ کی خلافت تک یہ تیس سالہ میعاد پوری ہو جاتی ہے اور امیر معاویہ کے زمانہ سے وہ میعاد شروع ہوتی ہے جسے بادشاہت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ؎

---

[1] بخاری تفسیر سورۃ احقاف و فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۴۲ و ۴۴۳ نیز تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۱۴ تا ۲۱۸ و طبری حالات ۵۶ھ ہجری۔

[1] طبری و تاریخ کامل ابن اثیر حالات ۶۰ھ و ۶۱ھ ہجری و نیز حالات خلافت ابن زبیرؓ۔

[2] ترمذی و ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الفتن فصل ثانی عن سفینہ ؎

بارگاہِ الٰہی میں

(حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ)

آپ دیتے نہ تھکیں اور میں پیتے نہ تھکوں

میرے شایاں ہے یہی۔ آپ کے شایاں ہے وہی

ہاتھ پکڑا ہے تو اب چھوڑ نہ دینا للّٰہ

مدتوں دُور رہا جو۔ یہ پشیماں ہے وہی

سچ تو یہ ہے کہ سبھی میری خطا تھی ورنہ

اپنے بندوں پہ کرم آپ کا ہر آں ہے وہی

ہم تو کمزور ہیں۔ پر آپ میں سب طاقت ہے

جو بھی مشکل ہے ہمیں آپ کو آساں ہے وہی

للّٰہ الحمد میانِ من و اُو صلح فتاد

حُوریاں رقص کُناں ساغرِ شکرانہ زدند

(بُخارِ دل)

مکرّم اشفاق حسین صاحب

قائد مجلس ملیر - کراچی

تحصیل علم کے آداب

سُلطان القلم سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے علم پاکر قرآن کریم و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منوّر چہرہ کو صدیوں سے پڑے ہوئے گرد و غبار سے صاف کر کے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور اب اسی کی روشنی میں آپ کے خدام اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود اطال اللہ بقاءہٗ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ آپ کو صحیح بخاری کی شرح کی تصنیف کی طرف توجہ ہوئی۔ اور اس عظیم کام کیلئے آپ کی نظرِ انتخاب نے ایسی شخصیت کو چُنا جو حقیقتاً اس کے اہل ثابت ہوئے یعنی محترم سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب[1]۔

میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس ترجمہ اور شرح سے چیدہ چیدہ باتیں قارئین خالد کی خدمت میں پیش کروں تا جن احباب کو کسی وجہ سے ابھی تک اس قیمتی تصنیف کے مطالعہ کا موقع میسّر نہیں آسکا وہ بھی مختصراً اس سے کچھ استفادہ کر سکیں اور تا قارئین کو اس قیمتی سرمایہ کے حصول کی خواہش پیدا ہو۔ وہ اسے حاصل کریں اور صحیح طور پر عالم باعمل بن کر احمدیت کے لئے ایک قیمتی وجود ثابت ہوں۔ محترم شاہ صاحب موصوف اس بارہ میں فرماتے ہیں کہ اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں کہ امام بخاریؒ کی کتاب محض روایات کا مجموعہ نہیں بلکہ درحقیقت یہ ذخیرہ ہے اُس ربّانی علم و معرفت کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے عطا ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک طلب العلم فریضۃٌ علیٰ کلّ مسلمٍ ومسلمۃٍ کے ماتحت یہ ہدایات نہ صرف طلباء اور اساتذہ کرام کے لئے بلکہ ہر مسلمان کے لئے بھی ازبس ضروری ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ نے مندرجہ ذیل اکتالیس آدابِ علم بیان فرمائے ہیں:-

۱- پہلا ادب اسلام نے علم کے متعلق یہ سکھلایا ہے کہ انسان جنابِ الٰہی میں ہمیشہ یہ دُعا کرتا رہے کہ وہ اپنی شانِ ربوبیت کے طفیل اس کا علم

---

[1] حضرت شاہ صاحب موصوف ایک عرصہ سے صاحب فراش ہیں۔ قارئین سے ان کی صحت و سلامتی کے لئے درخواستِ دعا ہے۔ (ادارہ)

ہمیشہ بڑھتا رہے۔ اس میں امام موصوف نے قرآن کریم کی دو آیات پیش فرمائی ہیں:۔
(۱) یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اُوتوا العلم درجٰتٍ واللہ بما تعملون خبیر۔
(۲) ربِّ زدنی علماً۔ (باب ۱)

۲۔ دوسرا ادب یہ کہ انسان کو جو بات سمجھ میں نہ آئے وہ پوچھے۔ (باب ۲)

۳۔ وہ قطع کلام نہ کرے۔ یہ عیب بکثرت پایا جاتا ہے۔ (باب ۲)

۴۔ عالم اپنا علمی وقار قائم رکھے۔ کسی کی غلطی اگر بُری معلوم ہو تو حتی الوسع اس کا اظہار نہ کرے اور خوبی سے اس کا ازالہ کرے۔ (باب ۲)

۵۔ سائل کے سوال کو بالکل نظر انداز بھی نہ کرے بلکہ بات ختم کرنے کے بعد اُس کی تشفی کرے۔ (باب ۳)

۶۔ عالم اگر کوئی غلطی دیکھے تو اُس غلطی کے متعلق کھول کر بیان۔ (باب ۳)

۷۔ عالم کو تعلیم دیتے وقت یہ بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ سیکھنے والوں کی طبعی استعداد و جستجو کو اُبھارے اور مشاہدات کی طرف توجہ دلا کر قیاسات کے لئے ان کے ذہن میں تحریک پیدا کرے۔ فن تعلیم میں یہ طریقہ سب سے اعلیٰ مانا گیا ہے۔ (باب ۵)

۸۔ علم کے حصول کے لئے اپنے نفس میں بھی مناسب تغیر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ وہ ضرورتِ حقہ ہے جس کے بغیر انسان علم سے محروم رہ جاتا ہے۔ (ظاہری اعراض رحمتِ الٰہی سے محرومیت کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ شوق و توجہ اُس رحمت کا وارث بناتے ہیں۔ (باب ۸)

۹۔ علماء اپنی تعلیم میں وہ طریقہ اختیار کریں جس سے بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ (باب ۹)

۱۰۔ علم کی نشر و اشاعت میں کوشاں رہیں اور کوتاہی سے کام نہ لیں۔ (باب ۹)

۱۱۔ ان کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ وہ ہو جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے ہوا یعنی جان، مال اور عزت کو کامل طور پر امن نصیب ہوا۔ (باب ۹)

۱۲۔ تعلیم و وعظ میں ایسا طریقہ اختیار نہ کریں کہ جو لوگوں کی نفرت و ملال کا باعث ہو۔ علم کا فائدہ تو قبولیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر طبیعت پر گراں ہو تو وہ قبول کرنے سے انکار کرے گی اور واعظ اور لوگوں کا نہ صرف وقت ہی ضائع ہو گا بلکہ اُس سے دلوں میں نفرت پیدا ہو گی (باب ۱۱)

۱۳۔ علم میں فہم جزئیات پر نظر رکھنے اور صحیح قیاس کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ (باب ۱۴)

۱۴۔ تحصیل علم کے لئے بچپن سے ہی اہتمام ہو۔ بچوں کے واسطے دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں علم کی نعمت عطا کرے۔ (باب ۱۷)

۱۵۔ تحصیل علم و علمی تحقیق کے لئے ان تھک کوشش

سالہاسال جاری رکھی جائے اور اس کے لئے سمندروں کے (دُور دراز) سفر اختیار کئے جائیں۔ (باب ۱۹)

۱۶۔ علم کے ساتھ عمل بھی ہو۔ عمل نہ کرنے سے علم ضائع ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ خود انسان بھی۔ (باب ۲۱)

۱۷۔ علماء کو کنجِ تنہائی میں جیسا کہ اُن کی عادت ہو چکی ہے نہیں رہنا چاہیئے اور نہ یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ لوگ اُن کے پاس آئیں بلکہ تعلیم کے لئے انہیں خود باہر نکلنا اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیئے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا۔ کسی کے پاس جا کر اُسے تعلیم دینا ذلّت نہیں۔ (باب ۲۳)

۱۸۔ انسان اپنے مافی الضمیر کو اشارے سے بھی بیان کر سکتا ہے۔ علماء کو یہ عادت ہو چکی ہے کہ جب تک مسئلہ کو منطقی پیچیدگیوں میں لا کر ایک طول طویل تقریر نہ کر لیں اُن کو تسلّی ہی نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلعم کے اُسوۂ حسنہ اور اقوال کے پیشِ نظر خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اشارے سے بھی انسان بڑے بڑے مضمون ادا کر سکتا ہے۔ (باب ۲۴)

۱۹۔ صرف علم کو سیکھنا ہی کافی نہیں۔ بلکہ علم کو محفوظ رکھنا اور دوسروں کو سکھلانا اور اس کی ترغیب و تحریص دینا دلانا بھی ایک ضروری امر ہے۔ (باب ۲۵)

۲۰۔ اکثر لوگ صحیح معلومات حاصل کرنے میں سُستی اور تساہل سے کام لیتے ہیں اور شہادت کو یقین سے تبدیل کرنے میں پرلے درجے کی کوتاہی اور غفلت برتتے ہیں۔ یہ تقویٰ کے بھی بالکل برخلاف ہے۔ شبہ کی صورت میں فوراً تحقیق کر کے ازالہ کرے۔ (باب ۲۶)

۲۱۔ اگر کسی کو علم سیکھنے کے لئے پوری فراغت نہ ملتی ہو تو وہ کسی کے ساتھ باری مقرر کر سکتا ہے۔ جب علم کے لئے سچی تڑپ ہو تو وہ تڑپ بیسیوں ایسے طریقے خود سمجھا دیتی ہے (باب ۲۷)

۲۲۔ درس و تدریس میں بے محل و بے موقع اور لغو سوالات کا دروازہ کھول دینا بغیر مناسب حدود کی نگہداشت کے اکثر نقصان کا موجب ہوتا ہے اور لغو باتوں میں انسان پڑ جاتا ہے۔ عالم کو چاہیئے کہ ان سوالات کی وجہ سے اگر غصہ آئے تو اس کا اظہار سخت کلامی سے نہ کرے بلکہ جواب میں دانشمندانہ طریق اختیار کرے۔ (باب ۲۸)

۲۳۔ کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرے تو صرف مطلب کی بات بیان کرنے پر اکتفا کرے۔ (باب ۲۹)

۲۴۔ معلّم کا فرض ہے کہ وہ یہ بھی دیکھے کہ سُننے والے اس کی بات سمجھے بھی ہیں یا نہیں۔ اور یہ کہ بات

اچھی طرح ان کے ذہن نشین ہوگئی ہے یا نہیں۔ طلباء جو زیادہ تر بات بھول جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اساتذہ اپنی تعلیم میں اس بات کا خیال نہیں رکھتے۔ (باب ۳۰)

۲۵۔ علم و تعلیم کے لئے مرد کو اپنے اہلبیت کی تعلیم کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ (باب ۳۱)

۲۶۔ قوم کا فرض ہے کہ وہ علماء پیدا کرنے کی طرف خاص خیال رکھے۔ (باب ۳۴)

۲۷۔ تعلیم و وعظ میں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو دل کی سوزشوں کے لئے پانی کا کام کرے۔ (باب ۳۵)

۲۸۔ معلم کا ہی یہ فرض نہیں کہ وہ تعلیم دیتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ سننے والا سمجھتا ہے یا نہیں بلکہ خود سننے والے کا بھی یہ فرض ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئی ہو وہ پوچھ کر سمجھ لے اور بجا اعتراض کرنے سے نہ جھجکے۔ (باب ۳۶)

۲۹۔ کسی کی طرف منسوب کرکے کوئی جھوٹی بات نہ بیان کی جائے۔ (باب ۳۸)

۳۰۔ اگر کتاب اللہ یعنی قرآن کریم جس کے سامنے دوسری سب باتیں کالعدم ہیں، سے کوئی بات پیش کر دی جائے تو فوراً سر تسلیم خم کر لینا چاہیئے۔ نام نہاد علماء کی طرح یہ نہیں کرنا چاہیئے جو ایک بات جس کا اظہار ایک دفعہ کر بیٹھیں تو پھر اسے وحی الٰہی کی طرح سمجھتے ہیں۔ (باب ۳۹)

۳۱۔ رات کا وقت علمی ذکر و اذکار اور نصیحت کے لئے ایسا وقت ہے۔ جب لوگ دنیا کے دھندوں سے فارغ ہو کر یکسو ہو جاتے ہیں اور وہ رات کو طبعاً باتیں سننے کا شوق رکھتے ہیں۔ یہ وقت نصیحت آمیز واقعات بیان کرنے کے لئے نہایت موزوں ہے۔ کیونکہ ذہن جو اثر اس وقت باتوں باتوں میں سہولت سے قبول کر لیتا ہے۔ وہ عالم خواب کی مخفی در مخفی تاثیروں کے ماتحت مستحکم ہو جاتا ہے۔ اس وقت کی نصیحت دل میں گھر کرنے والی ہوتی ہے۔

(باب ۴۰)

۳۲۔ فارغ البال ہو کر توجہ سے بیٹھ جاؤ۔ اپنے اندر سوالی کی سی حالت پیدا کرو۔ جو لینے کے لئے اپنی چادر پھیلا دیتا ہے۔ جب تک طالب علم کی یہ حالت نہ ہو گی وہ کچھ فائدہ نہ اٹھائے گا جو سنے گا بھول جائے گا۔ استفادہ کے لئے شوق و حرص اور حضور قلب ہونا چاہیئے۔

(باب ۴۲)

۳۳۔ جب تعلیم دی جائے اور بیان ہو رہا ہو تو خاموش ہو کر توجہ سے سنو۔

۳۴۔ عالم اگر بیٹھا ہو، کوئی کھڑے کھڑے (یعنی اگر جلدی ہو اور موقع مناسب ہو تو) ان سے سوال کر سکتا ہے۔ (باب ۴۵)

۳۵۔ جب کسی ایسی عبادت میں مشغول ہو جس میں خاص

توجہ یا استغراق نہ ہو۔ اس اثناء میں پوچھنا اور جواب دینا جائز ہے۔ (باب ۴۶)

۳۶۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے کہ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ واضح رہے کہ علم الہٰی غیر متناہی ہے اور انسان کو بہت کم حصہ دیا گیا ہے۔ جملہ انبیاء علیہم السلام بھی اس میں مخاطب ہیں۔ ہمہ دان صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کم مایہ علماء کے لئے اس میں ایک سبق ہے جو چند کتابیں پڑھ پڑھا کر ہمہ دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہر بات میں خواہ مخواہ دخل دیدیتے ہیں۔ (باب ۴۷)

۳۷۔ کسی پسندیدہ بات کو ابتلاء کے ڈر سے نہ کرنا، کسی شخص کی ابتلاء کی وجہ سے کوئی اچھی بات چھوڑ دینا یہ عین دانشمندی ہے۔ مصلحتِ وقت کو مدنظر رکھنا از حد ضروری ہے۔ آجکل کے علماء اس دانشمندانہ سیاست سے بالکل کورے ہیں۔ معمولی باتوں کی وجہ سے کفر کے فتویٰ سے کم پر صبر نہیں کر سکتے۔ جلدبازی اور کوتاہ نظری اُن کے سروں پر سوار رہتی ہے۔ (باب ۴۸)

۳۸۔ کسی علمی بات کو خاص لوگوں میں محدود دکرنا کیونکہ عام لوگ اس کے صحیح مطلب تک نہ پہنچنے کی وجہ سے نقصان اٹھائیں گے۔ (باب ۴۹)

۳۹۔ حیا کی حد کے اندر رہتے ہوئے بھی انسان اپنے مافی الضمیر کو ایسے پیرایہ میں ادا کر سکتا ہے جو مانعِ حیا نہیں۔ بعض وقت انسان سچی بات کے اظہار سے بھی شرماتا ہے جس کا تعلق درحقیقت کسی ایسے سبب سے نہیں ہوتا جو شرم کا تقاضا کرے۔ (باب ۵۰)

۴۰۔ اگر کوئی شخص بوجہ غلبۂ شرم وحیا خود نہیں پوچھ سکتا تو وہ کسی دوسرے شخص کے ذریعہ دریافت کر لے۔ عورتیں اپنے خاوندوں کے ذریعہ سے دریافت کر سکتی ہیں۔ (باب ۵۱)

۴۱۔ بعض وقت سوال کرنے والے کا سوال تو چھوٹا ہوتا ہے مگر اس کی تشفی نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اُسے جامع مانع جواب نہ دیا جائے۔ (باب ۵۳)

متفرق

۱۔ کتاب پڑھنے والے کو توجہ دلائے کہ وہ بھی مطالب کے سمجھنے میں اپنی عقل و فکر سے کام لیں۔ (باب ۵)

۲۔ طالب علم اپنا لکھا ہوا پڑھ کر اس غرض کیلئے سنائے کہ اس میں جو غلطی ہو اس کی اصلاح ہو جائے۔ اپنے استاد کو سنائے یا استاد کی موجودگی میں اپنی کتاب کا کسی دوسرے سے مقابلہ کرے اور پھر کہے کہ مجھے فلاں استاد نے بتایا ہے (باب ۵)

۳۔ افراد بشر میں علم کے قبول کرنے کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص جو کسی متکلم کا مخاطب ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی بات کو اتنا نہ سمجھے جتنا کہ وہ جس کو سننے والا پہنچاتا ہے۔ (باب ۹)

۴۔ چاہئیے کہ جو حاضر ہے وہ غیر حاضر کو علم کی بات پہنچا دے۔ (باب ۳۷)

۵۔ عورتوں کو جمع کر کے انہیں تعلیم دی جائے۔ اپنے گھر کی عورتوں کو بھی اور دوسری عورتوں کو بھی۔ (باب ۲۵)

۶۔ علمی باتوں کو لکھ کر محفوظ کر لینا چاہئیے۔ (باب ۳۹)

۷۔ لوگوں کو ان کی عقل اور سمجھ کے مطابق مخاطب کرنا چاہئیے۔

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی تربیت میں وہ تمام امور ملحوظ رکھے جو ایک دانشمند اور حاذق استاد و مربی کے شایاں ہیں۔ (باب ۵۳)

کتاب العلم کے مطالعہ سے یہ بات ہویدا ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام کی علمی تربیت بھی اعلیٰ درجہ کی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ تبلیغ کے کما حقہٗ اہل تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسی طرح اہل بنائے۔ آمین!

منکرین احادیث جو یہ کہتے ہیں کہ ان سے کچھ فائدہ نہیں ان کے لئے ان آداب علم میں ایک بہت بڑا سبق ہے۔ وہ آج پڑھ پڑھا کر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اجی یہ ایسی باتیں ہیں کہ عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں۔ مگر ان احادیث کی عدم موجودگی میں یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہمارا رسول (فَدَتْهُ أَنْفُسُنَا) اپنے اندر ایک کامل اسوہ رکھتا ہے۔

قائدین مجالس خدام الاحمدیہ کی فوری توجہ کے لئے

قائدین مجالس خدام الاحمدیہ کی خدمت میں درخواست کی گئی تھی کہ اپنی مجلس کی طرف سے اجتماع میں شامل ہونے والے خدام کی تعداد سے ۳۱؍ اگست سے قبل دفتر بیرون کو اطلاع دیں تاکہ انہیں داخلہ کے فارم بھجوائے جا سکیں مگر ابھی تک اس امر کی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔

قائدین کرام سے درخواست ہے کہ وہ چند دن کے اندر اندر اپنی مجلس کی طرف سے شامل ہونیوالے خدام کی تعداد سے مطلع فرمائیں۔ جزاکم اللہ

والسلام

عبدالشکور اسلم

منتظم دفتر بیرون

خدام الاحمدیہ کے صفحات

مجالس خدام الاحمدیہ کی تربیتی کلاسیں

مجالس خدام الاحمدیہ کے زیر انتظام منعقد ہونے والی تربیتی کلاسوں کی نہایت مختصر رپورٹ درج ذیل ہے:۔

۱۔ چک ۸۷ شمالی ضلع سرگودھا:۔

اس کلاس میں حلقہ ۹۸ شمالی کی مندرجہ ذیل مجالس نے شرکت کی۔

چک ۹۷ شمالی، چک ۸۷ شمالی، چک ۸۸ شمالی، چک ۹۸ شمالی اور چک ۹۹ شمالی۔

یہ کلاس یکم و ۲ر جولائی کو منعقد ہوئی۔ لاؤڈ سپیکر کا انتظام تھا۔ کل پانچ اجلاس ہوئے۔ جن میں درسِ قرآن کریم و حدیث نبوی، صحتِ نماز معہ ترجمہ، ارکانِ ایمان و اسلام کی تشریح، تاریخ اسلام، ہماری تعلیم کے علاوہ وفات مسیح ناصری، صداقت حضرت مسیح موعودؑ اور شانِ رسول عربیؐ حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں، کے عناوین پر مکرم مولوی عزیز الرحمٰن صاحب منگلا۔ مکرم گیانی واحد حسین صاحب، مکرم مولوی محمد حسین صاحب، مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد اور مکرم پروفیسر رحمت علی صاحب مسلم نے خطاب فرمایا۔ اختتامی خطاب محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ نے فرمایا۔ موسم کی خرابی کے باوجود کلاس کا پروگرام کامیابی سے جاری رہا۔ حاضری کے لحاظ سے چک ۹۸ شمالی اوّل رہا۔

۲۔ چک ۶۱ ج ب دھروڑ ضلع لائلپور:۔

یہ کلاس ۸ر جولائی کو منعقد ہوئی۔ افتتاح محترم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی نے ایک خطاب سے کیا اور تربیتی کلاس کا مقصد واضح کیا۔ کُل چار اجلاس منعقد ہوئے۔ جن میں مکرم مولوی بشیر احمد صاحب قمر، مکرم خورشید احمد صاحب نگران حلقہ، مکرم مولوی عزیز الرحمٰن صاحب منگلا، مکرم مولوی عبد الکریم صاحب کاٹھگڑھی، محترم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر مہتمم اطفال نے خطاب فرمایا۔ کلاس کے دوران اہم مسائل کے بارہ میں نوٹس بھی لکھوائے گئے۔ آخری اجلاس میں محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب صدر مجلس نے ایک ایمان افروز خطاب فرمایا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت

پر بڑے دلکش انداز میں روشنی ڈالی۔ آخری اجلاس میں کل حاضری ۲۹۰ تھی جس میں غیر از جماعت احباب بھی شامل تھے۔

۳۔ چک ۹۸ جنوبی شیخ پور ضلع سرگودھا:۔

یہ کلاس پندرہ اور سولہ جولائی کو چک ۹۸ میں منعقد ہوئی۔ اس میں چک ۹۷ جنوبی، چک ۷۱ جنوبی، چک ۸۱ جنوبی، چک ۸۶ جنوبی، چک ۴۶ جنوبی اور چک ۸۰ جنوبی کے خدام و اطفال کے علاوہ دیگر احباب نے بھی شرکت کی۔ کُل پانچ اجلاس ہوئے جن سے مکرم مولوی نصیر احمد صاحب ناصر مربی ضلع، مکرم مولوی عزیز الرحمٰن صاحب منگلا اور مکرم پروفیسر رحمت علی صاحب مسلم نے خطاب فرمایا۔ کلاس کے دوران حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر کے بعض حصے بھی بذریعہ ٹیپ ریکارڈر سنائے گئے۔ اختتامی اجلاس سے محترم جناب مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع سرگودہا نے خطاب فرمایا۔

۴۔ وزیر آباد:۔

وزیر آباد میں خدام و اطفال کی ایک روزہ تربیتی کلاس منعقد ہوئی۔ کلاس کے دوران خدام و اطفال نے ایک اجتماعی وقار عمل کیا۔ دو اجلاس ہوئے جن میں خلافت کی اہمیت اور برکات، نماز کی تفصیلات، اسلامی اخلاق، اطفال کی اہمیت اور "خادم اور خدمت" کے موضوعات پر تقاریر ہوئیں۔ وزیر آباد مجلس کے تقریباً سب خدام کلاس میں شامل ہوئے۔

۵۔ راولپنڈی:۔

مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی کی آٹھویں سہ روزہ تربیتی کلاس ۱۳-۱۴-۱۵؍ اگست کو مسجد نور مری روڈ راولپنڈی میں جاری رہ کر بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔ جس کا افتتاح مکرم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے فرمایا تھا۔ آنمکرم نے نوجوانوں کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ دور میں نظریات اور اعمال کا فاصلہ بڑھ رہا ہے جس کے استیصال کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم روزمرہ زندگی اسلامی نظریات اور عوامل کو یکجا قوم کے سامنے پیش کریں۔

تربیتی کلاس میں ضلع بھر کی مجالس کے خدام شریک ہوئے۔ اس تربیتی اجتماع سے جناب مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ سابق صوبہ پنجاب، جناب شیخ بشیر احمد صاحب سابق جج مغربی پاکستان ہائیکورٹ، مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ سلسلہ احمدیہ، مکرم مسعود احمد صاحب جہلمی سابق مبلغ جرمنی و مربیان سلسلہ عالیہ احمدیہ مکرم مولانا محمد شفیع صاحب اشرف، مولانا خواجہ خورشید احمد صاحب، مولانا سید عزیز احمد شاہ صاحب نے عالمانہ خطاب فرمایا۔ رات کے اجلاس عام جلسہ کی حیثیت کے حامل تھے جس میں ہر سہ روز احباب جماعت کے علاوہ غیر از جماعت دوست کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔

اختتامی اجلاس میں مکرم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے تقسیم انعامات میں خطاب فرماتے ہوئے نوجوانوں کو تلقین فرمائی کہ اچھے اخلاق کے علاوہ ملکی حالات کے پیش نظر انہیں اچھی صحت کے مالک ہونا چاہیئے۔

پروگرام کا دلچسپ حصہ مجلس مذاکرہ تھی۔ نیز ٹیپ ریکارڈ تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ (اطال اللہ بقاءہٗ) "نوبت خانے" دلجمعی کے ساتھ اور قادر و قیوم خدا کے حضور دعاؤں کے ساتھ سنی گئی۔

۶۔ منڈی بہاؤالدین:۔

منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات کی تین روزہ تربیتی کلاس ۱۸-۱۹-۲۰ جون کو منعقد ہوئی۔ نماز جمعہ کے بعد کلاس کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس سے قبل جمعہ کی نماز مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے پڑھائی خطبہ میں مولانا موصوف نے ختم نبوت اور وفات مسیحؑ کے عقیدہ کے متعلق واضح دلائل کے ساتھ روشنی ڈالی اور اس کے بعد تربیتی کلاس کے کامیاب بنانے اور طریقۂ کار کے متعلق دوستوں سے کچھ خطاب فرمایا۔ نماز جمعہ میں شہر کے دو معزز غیر احمدی احباب بھی شامل ہوئے۔ نماز جمعہ کے بعد محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب کا قائد ضلع اور مقامی مربی مولوی سلطان محمود صاحب انور نے احباب سے فرداً فرداً تعارف کرایا۔ اس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے تربیتی کلاس کے پروگرام کا باقاعدہ طور پر افتتاح فرمایا۔ جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا جو مکرم حافظ محمد یوسف صاحب آف کھاریاں نے کی۔ اس کے بعد خدام الاحمدیہ کا عہد دوہرایا گیا۔ بعد ازاں مکرم بشیر احمد صاحب قائد لنگے نے درِّثمین سے نظم خوش الحانی سے پڑھی اسکے بعد محترم میاں صاحب نے احباب جماعت خدام اور اطفال سے تربیتی کلاس سے متعلق امور پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی اور دعا کے ساتھ اس اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔

مکرمی ملک عبدالباسط صاحب نائب ناظم اعلیٰ و مکرم سید رفیق احمد صاحب ناظم تعلیم اور دیگر

مربیانِ سلسلہ نے خدام اور اطفال کو اپنے اپنے لیکچر سے محظوظ کیا۔ خدام اور اطفال کو دو حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اطفال کا سارا پروگرام جناب مشتاق مبارک صاحب نائب ناظم تعلیم کو دیا گیا۔ اس اجلاس کی کارروائی نماز مغرب تک جاری رہی۔

اس دن کی خصوصی بات یہ ہے کہ شام چھ بجے جماعت احمدیہ منڈی بہاؤالدین نے ایک ٹی پارٹی کا انتظام مکرم و محترم شیخ منور حسین صاحب امیر جماعت کی کوٹھی پر کیا۔ جس میں تقریباً ایک صد غیر احمدی احباب مثلاً وکلاء، تاجر پیشہ، سکول و کالج کے اساتذہ اور کالونی کے چند افسرانِ اعلیٰ عدلیہ اور انتظامیہ منڈی بہاؤالدین کے افسران بھی شامل تھے۔ پارٹی ٹھیک چھ بجے شروع ہوئی۔ جس میں تلاوت اور نظم کے بعد مولانا ابوالعطاء صاحب نے نہایت جامع اور مؤثر طور پر حاضرین کا جماعت احمدیہ کے مشنوں سے تعارف کرایا اور احمدیت یعنی حقیقی اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ تقریر کا اثر احباب پر بہت اچھا نظر آتا تھا۔ اسکے بعد محترم صاحبزادہ میاں رفیع احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے حاضرین جلسہ سے خطاب فرمایا اور احمدیت پر غلط اور بے جا اعتراضات کے مدلل جواب دیئے۔ تقریر کے آخر میں صاحبزادہ صاحب موصوف نے پرسوز الفاظ میں فرمایا کہ:۔

"خدا کی قسم جس ماحول میں ہم نے آنکھیں کھولی ہیں اُس میں خدا اور اس کے رسولؐ کی باتوں کے سوا کوئی دوسری بات نہیں سُنی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی مبشر اولاد کے متعلق جو دعائیں فرمائی تھیں وہ ہمارے وجودوں سے پوری ہوئیں"۔

صاحبزادہ صاحب کا خطاب نماز مغرب تک جاری رہا۔ آخر میں آپ نے دعا کرائی۔ اور اختتام پر امیر صاحب مقامی نے حاضرین کا محترم میاں رفیع احمد صاحب، مولانا ابوالعطاء صاحب اور مولوی دوست محمد صاحب شاہد سے تعارف کرایا۔

بعد نماز عشاء امیر صاحب مقامی کی زیر صدارت اجلاس کی کارروائی حسب پروگرام شروع ہوئی تلاوتِ قرآن پاک اور نظم کے بعد سب سے پہلے مولانا ابوالعطاء صاحب نے تقریر فرمائی جس میں انہوں نے احمدیت کے متعلق شکوک و شبہات کا ازالہ فرمایا۔ اس کے بعد میاں صاحب موصوف نے حاضرین سے خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ آج صرف احمدیت ہی ایک ایسی مذہبی جماعت ہے جو انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق قائم کر سکتی ہے۔ کیونکہ دوسرے تمام مذاہب نے خدا تعالیٰ سے اپنے بندوں کا ہم کلام ہونا بند سمجھ رکھا ہے اور صرف احمدیت ہی ایک ایسی جماعت ہے جو خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونا جاری سمجھتی ہے۔ یہ اجلاس رات ۱۲ بجے ختم ہوا۔ جلسہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد تقریباً

دوہ صد تھی۔

دوسرے روز حسبِ پروگرام صبح ۲½ بجے خدام و اطفال کو جگایا گیا اور باجماعت نماز تہجد پڑھائی گئی۔ اس کے بعد نماز فجر ادا کی گئی۔ پھر مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے قرآنِ پاک کا درس دیا۔ اس کے بعد اپنے اپنے طور پر خدام اور اطفال نے کلام پاک کی تلاوت کی۔

۱۰ بجے دن مولوی سلطان محمود صاحب انور کی زیر صدارت اجلاس شروع ہوا۔ اس اجلاس میں محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے خطاب فرمایا۔ آپ نے مثالیں دیکر واضح فرمایا کہ کس طرح سندھ اور کشمیر میں محض ایک شخص کی تبلیغ سے کتنا زبردست انقلاب آیا۔ اگر اب بھی ضلع گجرات کی جماعتیں تبلیغ کی طرف پوری توجہ دیں اور ساتھ ساتھ تربیت پر بھی توجہ دیں تو میں پوری امید رکھتا ہوں کہ اگلی ضلعی تربیتی کلاس کے موقع پر ضلع گجرات کی جماعت میں ایک زبردست انقلاب ہوگا انشاءاللہ۔ پھر حاضرین نے اس بات کا عہد لیا کہ وہ ضرور تبلیغ اور تربیت کی طرف پوری توجہ دیں گے۔ بعد ازاں مولوی دوست محمد صاحب شاہد اور مربی سلسلہ مولوی سلطان محمود صاحب انور نگران تربیتی کلاس نے حاضرین سے خطاب کیا۔ صاحبزادہ صاحب موصوف دوپہر کے کھانے کے بعد جو اُن کے اعزاز میں مکرم شیخ بشارت احمد صاحب نے دیا ۱۲ بجے کی ٹرین پر ربوہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

قائد صاحب ضلع کی زیر ہدایت خدام اور اطفال کا اکٹھا اجلاس شروع ہوا جس میں بیت بازی، پیغام رسانی، تلاوت قرآن پاک، خوش الحانی سے اذان دینے کے مختلف گروپوں میں مقابلہ جات ہوئے اور ساتھ ہی خدام کے تحریری اور تقریری مقابلہ جات بعنوان ہستی باری تعالیٰ، صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام، وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام منعقد ہوئے۔

اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مجلس اطفال الاحمدیہ شہر گجرات کے اطفال نے تمام حاضرین کو جن میں انصار، خدام وغیرہ سبھی شامل تھے چیلنج کیا کہ وہ اُن کے مقابل پر درثمین اور کلام محمود میں سے بیت بازی کا مقابلہ کریں۔ لیکن کوئی بھی اُن کے مقابل پر نہ آیا۔ یہ اجلاس پروگرام کے مطابق ۱۲ بجے دن ختم ہوا۔

نماز ظہر کے بعد حسب پروگرام کھیلوں کے مقابلہ جات ہوئے۔ خدام اور اطفال کے علیحدہ علیحدہ گروپ بنائے گئے۔ کبڈی، والی بال، فٹ بال، ۱۱۰ گز دوڑ، ۲۲۰ گز دوڑ کے مقابلہ جات ہوئے۔ کچھ نماز ظہر کے بعد اور بقیہ نماز عصر سے نماز مغرب تک۔

نماز مغرب کے بعد کھانا کھایا گیا اور نماز عشاء کے بعد مولوی عبد المالک صاحب مربی جماعت احمدیہ

کھاریاں کی زیرِ صدارت اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن پاک اور نظم کے بعد مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے "جماعت احمدیہ سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ" کے موضوع پر نہایت واضح اور مدلل تقریر کی۔ جلسہ میں کئی غیر از جماعت افراد بھی شامل تھے جو جلسہ کے آخر تک تشریف فرما رہے۔ اس جلسہ میں حاضری تقریباً اڑھائی صد تھی۔ دعا کے بعد یہ جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ اس جلسہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں تقریباً ایک گھنٹہ سوال و جواب کے لئے وقف تھا۔ کئی غیر احمدی احباب نے سوالات کئے جن کے جواب مولانا دوست محمد صاحب شاہد، مولوی عبدالمالک صاحب مربی جماعت احمدیہ کھاریاں، مولوی سلطان محمود صاحب انور مربی جماعت احمدیہ منڈی بہاؤالدین نے دیئے۔ یہ پروگرام بہت دلچسپ رہا۔

آخری روز بھی صبح ۳½ بجے خدام اور اطفال کو جگایا گیا۔ باجماعت نماز تہجد پڑھی گئی۔ اس کے بعد نماز فجر ادا کی گئی۔ مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے قرآن پاک اور حدیث شریف کا درس دیا۔ پھر پروگرام کے مطابق اپنے اپنے طور پر خدام اور اطفال نے تلاوت قرآن پاک کی۔ ناشتے کے بعد دوبارہ جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے انعامات تقسیم کئے۔ فٹ بال میں منڈی بہاؤالدین کی ٹیم کو اول انعام ملا۔ کبڈی اور والی بال میں شادیوال اول رہا اور بیت بازی میں شہر گجرات کی مجلس اطفال الاحمدیہ اول رہی۔ بعد ازاں مولوی دوست محمد صاحب نے اختتامی خطاب فرمایا۔ جس میں انہوں نے احباب کو تلقین فرمائی کہ انہوں نے اِن تین دنوں میں اپنے دنیاوی مشاغل ترک کر کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے جو کچھ دیکھا یا سنا یا پڑھا اس پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ باتیں سن کر کل آپ ان کو بھول جائیں۔ بلکہ یہ تمام کارروائی جماعت کے غیر حاضر احباب کو بھی سنائیں تا کہ اُن میں بھی ایسے دینی اجتماعوں میں شامل ہونے کا جوش اور شوق پیدا ہو۔

اس کے بعد قائد صاحب ضلع سید شریف احمد شاہ صاحب اور قائد مقامی محترم ملک محمد اسلم صاحب نے جماعت کے احباب اور تمام حاضرین خدام، انصار اور اطفال کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اپنے دنیاوی کام کاج ایک طرف رکھ کر سلسلہ کے اس پروگرام میں دلچسپی سے حصہ لیا اور انکی حوصلہ افزائی فرمائی۔

اس کے بعد دعا کی گئی اور پھر تمام انصار، خدام اور اطفال دوپہر کا کھانا کھانے اور نماز ظہر ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ اور اس طرح یہ تربیتی کلاس کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر

ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

۷۔ کراچی :۔

امسال بھی حسبِ سابق مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کی دسویں سالانہ تربیتی کلاس ۲۲ر جولائی ۱۹۶۵ء احمدیہ ہال میں منعقد ہوئی۔ یہ کلاس روزانہ شام آٹھ بجے سے ساڑھے نو بجے تک جاری رہتی تھی۔ کلاس کا افتتاح مورخہ ۲۳ر جولائی ۱۹۶۵ء بروز جمعۃ المبارک مکرم چوہدری احمد مختار صاحب امیر جماعت احمدیہ کراچی نے فرمایا۔ آپ نے اپنے افتتاحی خطاب میں اس تربیتی کلاس کے انعقاد کا مقصد بیان فرمایا۔ اس طرح علم کے حصول، خصوصاً دینی علوم کے حصول کی جدوجہد کی طرف توجہ دلائی نیز یہ تلقین فرمائی کہ نوجوانوں نے دنیا کا معلّم بننا ہے اور جو خلاء جماعت میں علماء کی عدم موجودگی کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے اس کو خدام الاحمدیہ کے افراد نے ہی پورا کرنا ہے۔ اختتامی تقریر کے بعد محترم امیر صاحب نے دعا کروائی اور اس طرح اس تربیتی کلاس کا افتتاح عمل میں آیا۔

کلاس میں گیارہ عناوین پر تقاریر ہوئیں۔ اس کے علاوہ نبراس المؤمنین اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مایۂ ناز تصنیف برکات الدعاء کا درس جاری رہا۔ تقاریر کے پروگرام کی تفصیل یہ ہے :۔

تاریخ	عنوان	مقرر
۲۲ر جولائی ۱۹۶۵ء	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیسے احمدی بنانا چاہتے ہیں۔	مولانا عبدالمالک خان صاحب
۲۴ر 〃 〃	احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے	مولوی دین محمد صاحب شاہد
〃 〃 〃	احمدی نوجوانوں کی ذمہ واریاں	چوہدری ناصر احمد صاحب
۲۵ر 〃 〃	اسلام کی برتری ادیانِ عالم پر	مولانا عبدالمالک خان صاحب
〃 〃 〃	نظامِ وصیت	مولوی عبدالمجید صاحب
۲۶ 〃 〃	اسلام کا اقتصادی نظام	چوہدری احمد مختار صاحب
〃 〃 〃	قرآن کریم اور علومِ جدیدہ	عبدالوہاب صاحب انور
۲۷ 〃 〃	اسلام میں خلافت کا نظام	مولانا عبدالمالک خان صاحب

تاریخ	عنوان	مقرر
۲۷ جولائی ۱۹۶۵ء	روحانی ترقیات میں عبادات کا حصہ	مولوی عبدالمجید صاحب
۲۸ " "	اسلامی اخلاق کی پابندی کیونکر ہو سکتی ہے؟	مولوی دین محمد صاحب
" " "	صحتِ جسمانی کے اصول	مولانا عبدالمالک خان صاحب

تقاریر کے بعد وقفہ سوالات بھی مقرر تھا جس میں مقررین نے سوالات کے جوابات دیئے۔

اِس کلاس کی ایک خصوصیت یہ بھی کہ آخری روز "جماعتِ احمدیہ اور بانی جماعت احمدیہ اغیار کی نظر میں" کے موضوع پر ایک فیچر پیش کیا گیا۔ جس کو تمام سامعین نے بہت پسند کیا۔ مہتمم صاحب تعلیم خدام الاحمدیہ مرکزیہ اِس موقع پر موجود تھے۔ آپ نے کلاس کے آخری روز خدام سے خطاب بھی فرمایا اور خدام کو علوم دینیہ کے حصول کے علاوہ تربیتی کلاس سے حقیقی فائدہ اٹھانے کی تلقین فرمائی۔ محترم ملک مبارک احمد صاحب قائد نے اختتامی خطاب فرمایا۔ کلاس میں جو مضامین پڑھائے گئے تھے ان کا امتحان بھی ہوا۔ کلاس میں حاضری اوسطاً ۱۰۰ رہی۔

محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا دورہ راولپنڈی

صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب نے ۲۵ اور ۲۶ اگست کو راولپنڈی اور واہ کی مجالس کا دورہ کیا۔ محترم صدر مجلس راولپنڈی میں تقریباً ستائیس گھنٹے ٹھہرے جس میں آپ نے مقامی مجلس کے زیر اہتمام سیرت النبیؐ کے موضوع پر ایک جلسہ عام سے بھی خطاب فرمایا۔

محترم صاحبزادہ صاحب موصوف ۲۵ اگست کی صبح کو بذریعہ چناب ایکسپریس ربوہ سے راولپنڈی پہنچے۔ چک لالہ کے ریلوے سٹیشن پر حلقہ چک لالہ کے بہت سے خدام آپ کے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے لیکن گاڑی تھوڑا عرصہ ٹھہرنے کی وجہ سے ملاقات نہ کر سکے۔ چنانچہ بہت سے خدام اسی ٹرین میں راولپنڈی چلے گئے اور وہاں استقبال میں شامل ہوئے۔

راولپنڈی ریلوے سٹیشن پر بڑی تعداد میں خدام اور اطفال صدر مجلس کے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ تقریباً سارے کے سارے خدام پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ محترم میاں صاحب نے فرداً فرداً سب سے مصافحہ

فرمایا۔ آپ کے خیر مقدم کے لئے قائد علاقائی چوہدری مبارک احمد صاحب ایم۔ایس سی اور قائد ضلع چوہدری داؤد احمد صاحب بھی ریلوے سٹیشن پر موجود تھے۔

ریلوے سٹیشن کی عمارت سے باہر اپنے ناظم کی سرگردگی میں محترم میاں صاحب کے استقبال کے لئے اطفال صف بستہ کھڑے تھے آپ نے تمام اطفال سے بھی مصافحہ فرمایا۔

شام پانچ بجے سیرت النبیؐ کے اجلاس میں آپ نے خطاب فرمایا۔ جلسہ میں غیراز جماعت دوستوں کو بھی بلایا گیا تھا اس غرض سے جماعت اور مجلس کی طرف سے تقریباً تین سَو دعوت نامے جاری کئے گئے تھے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے جلسہ نہایت کامیاب رہا اور کثیر تعداد میں غیر احمدی احباب نے بھی جلسہ میں شرکت کی۔ جلسہ کی مجموعی حاضری ساڑھے چار سَو سے زیادہ تھی۔

ٹھیک ساڑھے پانچ بجے چوہدری بشیر احمد صاحب کی صدارت میں جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ تلاوتِ قرآن کریم اور نظم خوانی کے بعد سیرت النبیؐ کے موضوع پر حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب نے تقریر فرمائی جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ آپ نے اپنی تقریر میں سرورِ کائنات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ رحمۃ للعالمین کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور وہ واقعات بھی بیان کئے جو آپؐ کی اس صفت سے ظہور پذیر ہوئے۔

جلسہ کا پروگرام اگرچہ کئی روز پہلے طے کر لیا گیا تھا اور اس سلسلے میں ضروری انتظامات بھی کر لئے گئے تھے لیکن جلسہ سے صرف دو روز قبل راولپنڈی میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کی وجہ سے جلسہ کے لئے خاص اجازت حاصل کرنی پڑی جس کے لئے قائد صاحب مقامی نے بڑی محنت اور کوشش کی۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ۔

اس روز رات کے کھانے کا انتظام مقامی مجلس کی طرف سے قائد صاحب چوہدری بشیر محمود کے مکان پر کیا گیا ــــ دعوت میں مجلس عاملہ کے تمام اراکین بھی شریک تھے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مجلس عاملہ کے اراکین کا محترم صدرِ مجلس سے تعارف کرایا گیا اور پھر دعا کے ساتھ یہ تقریب رات کے تقریباً دس بجے اختتام پذیر ہوئی۔

۲۶ راگست کو محترم صدرِ مجلس صبح ساڑھے سات بجے بذریعہ کار راولپنڈی سے واہ روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ قائد علاقائی چوہدری مبارک احمد صاحب، قائد ضلع چوہدری داؤد احمد صاحب، قائد مقامی چوہدری بشیر محمود صاحب اور ناظم تربیت مرزا عبدالحق صاحب بھی تھے۔ واہ میں محترم میاں صاحب نے مسجد احمدیہ میں تقریباً پون گھنٹہ قیام فرمایا۔ وہاں مقامی جماعت کے بہت سے انصار، خدام اور اطفال مسجد میں آئے ہوئے تھے۔ محترم میاں صاحب نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تازہ ملکی حالات کے پیش نظر جماعت کے ہر فرد کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ آپ نے خاص طور پر خدام کو یاد دلایا کہ وطن کی محبت ایمان کا اہم جزو ہے اور ہمارے

دل اس سے خالی نہیں ہونے چاہئیں۔

واہ میں مختصر قیام کے بعد محترم صدر مجلس بذریعہ کار ایبٹ آباد روانہ ہو گئے۔

اراکین مجلس خدام الاحمدیہ انور آباد و رسن باڑہ

کا

قابلِ تقلید نمونہ

مجلس خدام الاحمدیہ انور آباد اور رسن باڑہ کے تمام خدام پچھلے ۲۰ دنوں سے تہجد کی نماز باقاعدگی سے باجماعت ادا کر رہے ہیں۔ نیز نماز فجر سے قبل درود شریف اور دوسری مسنون دعاؤں کو بلند آواز سے پڑھتے ہوئے سارے گاؤں کا چکر لگاتے ہیں۔ اس روحانی ماحول کو غیر از جماعت احباب بھی قابلِ تحسین سمجھتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ خاصے متاثر ہوتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہر دو جماعتوں کو استقلال بخشے اور اپنے آپ کو خالص اسلامی ماحول میں ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے اور دوسری جماعتیں بھی انکی تقلید میں سعادت سمجھیں۔ آمین

مہتمم اشاعت

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ ربوہ

Regd. No. L. 5830 Telephone : 48

MONTHLY KHALID RABWAH

تعارف

از صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

کامیابی کی راہیں نامی کتابیں دوبارہ شائع کی جارہی ہیں۔ اس قلیل مدت میں ان کا فروخت ہوجانا اس بات کی علامت ہے کہ جماعت کو ایسی کتابوں کی بہت ضرورت تھی جو خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کتابوں کی اشاعت سے کسی حد تک پوری ہوگئی ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ کے سامنے احمدی بچوں کی دینی تعلیم کا جو پروگرام ہے وہ اسی حد تک نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے ہم چاہتے ہیں کہ اس قسم کی اور بھی مفید کتابیں جنکا پڑھنا احمدی بچوں کے لیے فائدہ مند ہو وقتاً فوقتاً شائع کرواتے رہیں بشرطیکہ جماعت ہمارے ساتھ اس بارہ میں تعاون کرے اور والدین اپنی اولاد کی دینی تربیت کے فریضہ کو کماحقہٗ ادا کرنے پر تیار ہوں اور اس بارہ میں اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کریں۔ کوشش کی گئی ہے کہ اس دوسرے ایڈیشن میں کتاب کی افادیت کو بڑھایا جائے۔ عربی کلمات کا ترجمہ حتی الامکان سادہ سہل اور ایسے طور پر کیا گیا ہے تا بچے مفہوم سمجھ جائیں۔ لفظی ترجمہ پر زور نہیں دیا گیا عبارت میں کہیں کہیں عربی الفاظ رہنے دیئے گئے ہیں جو ممکن ہے بعض کو مشکل معلوم ہوں۔ تاہم چونکہ وہ الفاظ اسلامی اصطلاحات ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ بچے ان کو یاد کریں اور ان کا مفہوم سمجھیں اگر کوئی لفظ مشکل ہو تو مربیان کو چاہیئے کہ ساتھ کے ساتھ اس کی وضاحت کریں۔ اِس کتاب کے متعلق جہاں اکثر تعریفی آراء موصول ہوئی ہیں وہاں اس کی طباعت کی خرابی کی بھی شکایت کی گئی ہے۔ ہم اس کے لیے معذرت خواہ ہیں یہ پریس کا قصور ہے۔ اس دفعہ کوشش کی جائے گی کہ کسی اچھے پریس میں کتب چھپوائی جائیں۔

Title Printed at the Nusrat Art Press, Rabwah.